

ماہنامہ
جہانِ مسلم

شمس الدفین

37

وی ایچ ۳۳۲، الموافق نومبر ۲۰۱۱ء

مدیر

عَلَامَةُ صِفَةِ رَافِعَةٍ



- بشریت نبوی
معرکہ حق و باطل
عالم الغیب کون؟
اللہ تعالیٰ عرش پر ہے
قیامت کب آئے گی؟
حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے



راہنمائی و تحقیق، جہلم، پاکستان



غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

اللہ تعالیٰ عرش پر ہے!

اہل سنت والجماعت کا یہ اجماعی و اتفاقی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر ہے اور اپنی مخلوق سے جدا ہے۔ گمراہ جہمیہ اور معطلہ کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے جبکہ قرآن و حدیث، اجماع امت اور فطرت سے ان کے باطل عقیدے کا رد ہوتا ہے۔ اہل سنت میں سے ایک بھی انسان نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔

حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (۵۰۸-۵۹۷ھ) اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

والملتزقة جعلوا الباري سبحانه في كل مكان . ”فرقة ملتزقة نے اللہ سبحانہ

کے ہر جگہ ہونے کا عقیدہ بنایا ہے۔“ (تلبیس إبليس لابن الجوزي: ۲۷، وفي نسخة: ۱۸۰/۱)

مفسر قرطبی رحمہ اللہ (۶۰۰-۶۷۱ھ) فرماتے ہیں: [وهو معهم] أي بالعلم

والرؤية والسمع ، هذا قول أهل السنة ، وقالت الجهمية والقدرية والمعتزلة :

”فرمان باری تعالیٰ: (اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے) کا مطلب

ہے کہ وہ علم، رؤیت اور سمع کے اعتبار سے ان کے ساتھ ہے۔ اہل سنت والجماعت کا یہی

موقف ہے جبکہ جہمیہ، قدریہ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ میں ہے۔“

(تفسير القرطبي: ۳۷۹/۵)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۰۱-۷۷۴ھ) فرماتے ہیں: الجهم بن صفوان

الذي تنسب إليه الطائفة الجهمية الذين يقولون : إنّ الله في كل مكان بذاته ،

”جہم بن صفوان وہ شخص ہے جس کی طرف

جہمیہ فرقہ منسوب ہے۔ ان لوگوں کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے ہر جگہ



ہے۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی باتوں سے بہت بلند ہے۔“ (البداية والنهاية لابن كثير: ۱۹/۱۰)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ﴾ (الأنعام: ۳) (وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو آسمانوں اور زمین میں تمہاری پوشیدہ و ظاہر باتوں اور اعمال کو جانتا ہے)۔

اس فرمان باری تعالیٰ کی تفسیر میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اختلف مفسرنا هذه الآية على أقوال ، بعد الاتفاق على تخطئة قول الجهمية الأول القائلين بأنه ، تعالى عن قولهم علوا كبيرا ، في كل مكان ، وهذا اختيار ابن جرير . ”اس آیت میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں لیکن اس بات پر سب متفق ہیں کہ جہمیہ کی یہ بات غلط ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس طرح کی باتوں سے پاک و منزہ ہے۔ امام طبری رحمہ اللہ نے اسی کو پسند کیا ہے۔“

(تفسير القرآن العظيم لابن كثير: ۷/۳)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱-۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

وكل من قال : إنّ الله بذاته في كل مكان فهو مخالف للكتاب والسنة وإجماع هذه الأمة وأئمتها ، مع مخالفته لما فطر الله عليه عباده ، ولصريح المعقول ، وللأدلة الكثيرة ، وهؤلاء يقولون أقوالا متناقضة .

”جو شخص بھی یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے ہر جگہ ہے، وہ قرآن و سنت اور امت مسلمہ کے علماء اور ائمہ دین کے اجماع کا مخالف ہے۔ ساتھ ساتھ وہ اس فطرت کی بھی مخالفت کرتا ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو پیدا کیا ہے۔ ایسا شخص صریح عقلی دلائل اور دیگر بہت سی دلیلوں کی بھی مخالفت کرتا ہے۔ ایسے لوگ متناقض باتیں کرتے ہیں۔“ (مجموع الفتاوى لابن تيمية: ۲۳۰/۵)

نیز فرماتے ہیں: الحلول العام ، وهو القول الذي ذكره أئمة أهل



السنة والحديث عن طائفة من الجهمية المتقدمين ، وهو قول غالب متعبدة الجهمية الذين يقولون : إنّ الله بذاته في كلّ مكان .

”عام حلول (اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ ہونے کا عقیدہ) وہ نظریہ ہے جسے ائمہ اہل سنت والحديث نے متقدمین جہمیہ کے ایک گروہ سے نقل کیا ہے۔ یہی عقیدہ ان جہمی صوفیوں کا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے۔“ (مجموع الفتاویٰ : ۱۷۲/۲)

شیخ الاسلام امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ (۱۶۱-۲۳۸ھ) فرماتے ہیں :

جمعنی وهذا المبتدع ، یعنی ابراہیم بن ابی صالح ، مجلس الأمير عبد اللہ بن طاہر ، فسألنی الأمير عن أخبار النّزول ، فسرّدتها ، فقال ابراہیم : کفرت برّب ينزل من سماء الى سماء ، فقلت آمنت برّب يفعل ما يشاء .

”میں اور یہ بدعتی یعنی ابراہیم بن ابی صالح ، امیر عبد اللہ بن طاہر کی مجلس میں جمع ہوئے۔ انہوں نے مجھ سے نزولِ باری تعالیٰ کی احادیث پوچھیں ، میں نے بیان کر دیں۔ ابراہیم کہنے لگا : میں ایسے رب کو نہیں مانتا جو (ساتویں) آسمان سے (پہلے) آسمان کی طرف نزول کرتا ہے۔ میں نے کہا : میں اس رب پر ایمان لاتا ہوں جو وہی کرتا ہے جو چاہتا ہے۔“

(الاسماء والصفات للبيهقي : ۱۹۷/۲ ، وفي نسخة : ۳۷۵/۲-۳۷۶ ، ح : ۹۵۱ ، وسنده صحيح)

رسول اکرم ﷺ کی صحیح حدیث (صحیح مسلم : ۷۵۸) کے مطابق اللہ تعالیٰ ہر رات ساتویں آسمان سے پہلے آسمان پر نزول فرماتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہے تو پھر ہر رات ساتویں آسمان سے پہلے آسمان کی طرف نزول کا کیا مطلب ہوا؟ شیخ الاسلام امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ جو نزولِ باری تعالیٰ کا اثبات کر رہے ہیں ، ان کا یہی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ نہیں ہے۔

ابو عبد اللہ عمرو بن عثمان کی رحمہ اللہ (م ۲۹۷ھ) فرماتے ہیں :

المستوى على عرشه بعظمة جلاله ، دون كلّ مكان .



”اللہ تعالیٰ اپنی عظمت و جلالت کے ساتھ اپنے عرش پر مستوی ہے۔ وہ ہر جگہ نہیں۔“

(کتاب العرش للذهبی: ۳۴۸/۲)

امام ابن ابی عاصم رحمہ اللہ (۲۰۶-۲۸۷ھ) اپنی کتاب السنۃ (۱/۲۱۵، باب: ۱۰۴) میں یوں

تبویب کرتے ہیں: ما ذکر أنّ اللہ تعالیٰ فی سمائه دون أرضه .

”ان دلائل کا بیان کہ اللہ تعالیٰ اپنے آسمانوں کے اوپر ہے، اپنی زمین میں نہیں ہے۔“

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ (۲۲۳-۳۱۱ھ) فرماتے ہیں: من لم یقرّ بأنّ اللہ

تعالیٰ علی عرشہ ، قد استوی فوق سبع سماواتہ ، فهو کافر برّبہ ...

”جو شخص اس بات کا اقرار نہ کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش پر اپنے ساتوں آسمانوں

کے اوپر مستوی ہے، وہ اپنے رب سے کفر کرنے والا ہے۔“

(معرفة علوم الحديث للحاکم، ص: ۸۴، وسنده صحيح)

سنی مفسر امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (۲۲۳-۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

وحسب امرئ أن يعلم أنّ ربّه هو الذي على العرش استوى ، فمن تجاوز

إلى غير ذلك فقد خاب وخسر . ”ایک شخص کو (اللہ تعالیٰ کی معرفت کے

حوالے سے) یہی کافی ہے کہ اسے یہ علم ہو کہ اس کا رب وہ ہے جو عرش پر مستوی ہے۔ جو

شخص اس سے تجاوز کرے گا وہ یقیناً تباہ و برباد ہو گیا۔“ (صريح السنة للطبري: ۲۷)

امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ (م ۳۲۴ھ) فرماتے ہیں: وأنّ اللہ سبحانه علی

عرشه ، كما قال : ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ . ”اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے

عرش پر ہے جیسا کہ اس نے خود فرمایا ہے : ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾ (رحمن

عرش پر مستوی ہوا)۔“ (مقالات الاسلاميين للاشعري، ص: ۲۹۰)

امام ابوالشیخ ابن حیان اصہبانی رحمہ اللہ (م ۳۲۹ھ) نے اپنی کتاب العظمة (۲/۵۴۳) میں

ایک باب یوں قائم کیا ہے: ذکر عرش الربّ تبارک و تعالیٰ و کرسیہ



وعظم خلقهما ، وعلو الرب فوق عرشه . ”اللہ تعالیٰ کے عرش ، اس کی کرسی اور ان دونوں چیزوں کی عظمت کا بیان ، نیز یہ بیان کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے اوپر بلند ہے۔“
امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ (۲۶۰-۳۶۰ھ) نے اپنی کتاب السنۃ میں ان الفاظ کے ساتھ باب قائم کیا ہے : باب ما جاء فی استواء اللہ تعالیٰ علی عرشه ، وأنه بائن من خلقه . ”اللہ تعالیٰ کے اپنے عرش پر مستوی ہونے کا بیان اور اس چیز کی وضاحت کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے جدا ہے۔“ (کتاب العرش للذهبی : ۴۰۴/۲)

امام ابو زکریا یحییٰ بن عمار سجستانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۳۲ھ) اپنے رسالے میں فرماتے ہیں : لا نقول كما قال الجهمية : إنه داخل للأمكنة ، ومما زج لكل شيء ، ولا نعلم أين هو ، بل هو بذاته على العرش ، وعلمه محيط بكل شيء ، وعلمه وسمعه وبصره وقدرته مدركة لكل شيء ، وهو معنى قوله : ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ ، وهو بذاته على عرشه كما قال سبحانه ، وكما قال رسوله . ”ہم جہمیوں کی طرح یہ نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ تمام جگہوں میں دخول کیے ہوئے ہے اور ہر چیز کے ساتھ ملا ہوا ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے؟ بلکہ (ہمارا عقیدہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے عرش پر ہے اور اس کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔ اس کا علم ، اس کی سمع ، اس کی بصر اور اس کی قدرت ہر چیز کو پاتی ہے۔ اس فرمان باری تعالیٰ کا یہی معنی ہے : ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ (اور جہاں بھی تم ہوتے ہو ، وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے عملوں کو دیکھنے والا ہے)۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے عرش پر ہے جیسا کہ خود اللہ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔“

(کتاب العرش للذهبی : ۴۴۶/۲ ، مجموع الفتاوی لابن تیمیہ : ۱۹۱/۵)

علامہ معمر بن احمد بن زیاد صہبانی رحمۃ اللہ علیہ (م ۴۱۸ھ) فرماتے ہیں :



وَأَنَّ اللَّهَ عَزَّ وَجَلَّ عَلَى عَرْشِهِ بَلَا كَيْفَ وَلَا تَشْبَهَ وَلَا تَأْوِيلَ ، فَلَا سِتْوَاءَ مَعْقُولٍ ، وَالْكَيفَ فِيهِ مَجْهُولٌ ، وَالْإِيمَانَ بِهِ وَاجِبٌ ، وَالْإِنْكَارَ لَهُ كُفْرٌ وَأَنَّهُ جَلَّ جَلَالُهُ بَائِنٌ مِنْ خَلْقِهِ وَالْخَلْقَ بَائِنُونَ مِنْهُ ، فَلَا حُلُولَ وَلَا مِمَازَجَةَ وَلَا اخْتِلَاطَ وَلَا مِلَاصِقَةَ ، لِأَنَّهُ الْفَرْدُ الْبَائِنُ مِنْ خَلْقِهِ ، وَالْوَاحِدُ الْغَنِيُّ عَنِ الْخَلْقِ ، عِلْمُهُ بِكُلِّ مَكَانٍ ، وَلَا يَخْلُو مِنْ عِلْمِهِ مَكَانٌ .

”اللہ عزوجل اپنے عرش پر ہے۔ اس بارے میں ہم کوئی کیفیت بیان نہیں کرتے نہ کوئی تشبیہ دیتے ہیں اور نہ کوئی تاویل کرتے ہیں۔ عرش پر مستوی ہونا عقل میں آنے والی بات ہے، اس کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں، اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کا انکار کرنا کفر ہے.....۔ اللہ تعالیٰ اپنے مخلوق سے جدا ہے اور مخلوق اس سے جدا ہے۔ خالق اور مخلوق کا آپس میں کوئی حلول، ملاپ، اختلاط نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اکیلا اور اپنی مخلوق سے جدا ہے، نیز وہ اکیلا اور اپنی مخلوق سے بے پروا ہے۔ اس کا علم ہر جگہ ہے، اس کے علم سے کوئی جگہ خالی نہیں۔“ (الحجة فی بیان المحجة وشرح عقيدة اهل السنة لابى القاسم الاصبهانی : ۲۴۸/۱، ۲۴۹، وسنده صحيح)



میت کو تلقین!

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱-۷۲۸ھ) فرماتے ہیں :

ولم یکن ، یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ، یجلس عند القبر ، ولا یلقن المیت ، كما یفعله الناس اليوم . ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ قبر پر بیٹھتے نہ میت کو تلقین کرتے جیسا کہ آج کے دور میں لوگوں میں رواج ہے۔“

(زاد المعاد لابن قیم الجوزیة : ۵۳۲/۱)



غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

معرکہ حق و باطل

ماہنامہ **السنة** کے مستقل قارئین جانتے ہیں کہ اس ماہنامہ میں باطل عقائد کے خلاف قرآن و سنت کے دلائل سے مزین و مبرہن ایک قسط وار سلسلہ ”معرکہ حق و باطل“ کے نام سے جاری ہے۔ اس کی ایک اور قسط پیش خدمت ہے۔

عقیدہ نمبر ۱۱ : يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا

وَنَذِيرًا وَحُزًّا لِلأُمِّيِّينَ يَعْذِبُوهُمْ وَيَغْفِرُ . ”اے نبی ہم نے تجھے گواہ اور

خوشخبری دینے والا اور ڈر سنانے والا اور بے پڑھوں کے لیے پناہ بنا کر بھیجا ہے۔۔۔ معاف

کرتا ہے اور مغفرت فرماتا ہے۔“ (آیت از تورات - الأمن والعلىٰ از احمد رضا، ص: ۷۲)

یہود کی تحریف و تبدیل شدہ کتاب تورات سے مذکورہ بالا آیت پیش کر کے جناب احمد

رضا خان بریلوی نے یہ سرنخی جمائی ہے:

”حضور اپنی امت کے حافظ و نگہبان ہیں۔“

عقیدہ نمبر ۱۲ : جناب احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

”ہاں اب ذرا گہرائے دلوں، شرمائی چٹونوں سے سجائی آنکھریاں اوپر اٹھائیے اور

بجاء اللہ وہ سنیے کہ ایمان نصیب ہو تو سنی ہو جائیے۔ جناب شاہ صاحب تحفہ اثنا عشریہ میں

لکھتے ہیں: توریت کے سفر چہارم میں ہے کہ۔۔۔: اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلاۃ

والتسلیم سے فرمایا: بے شک ہاجرہ کے اولاد ہوگی اور اس کے بچوں میں وہ ہوگا جس کا ہاتھ

سب پر بالا ہے اور سب کے ہاتھ اس کی طرف پھیلے ہیں، عاجزی اور گرگڑانے میں۔“

(الأمن والعلىٰ از احمد رضا، ص: ۷۲، ۷۳)



قارئین کرام غور فرمائیں کہ مشرکانہ عقائد پر احمد رضا خان صاحب کو دلیل کہاں سے ملی؟ یہودیوں کی اس کتاب سے جس پر انہوں نے خوب ہاتھ صاف کیے ہوئے ہیں۔ پھر اس سے بریلوی صاحب نے اپنا یہ عقیدہ ثابت کیا ہے:

”سب کے ہاتھ حضور کی طرف پھیلے ہیں۔“

بریلویت کتنا بے دلیل اور کتنا عجیب مذہب ہے !!!

عقیدہ نمبر (۱۳) : جناب احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں :

”آیت ۴۳ از زبور مقدس ، نیز تحفہ میں زبور شریف سے منقول ہے ۔۔۔۔ اے احمد! رحمت نے جوش مارا، تیرے لبوں پر میں اس لیے تجھے برکت دیتا ہوں، تو اپنی تلوار جمائل کر کہ تیری چمک اور تیری تعریف غالب ہے۔ سب امتیں تیرے قدموں پر گریں گی۔۔۔۔۔“ (الأمن والعلى از احمد رضا، ص: ۷۳)

جب عقائد من گھڑت ہوں تو ان کے لیے دلائل قرآن و حدیث سے نہیں، بلکہ یہود و نصاریٰ کی تحریف شدہ کتابوں سے ہی ملیں گے۔ زبور کی مندرجہ بالا آیت سے احمد رضا صاحب نے یہ ثابت کیا ہے کہ:

”حضور ساری زمین اور تمام مخلوق کے مالک ہیں۔“

کس قدر مبالغہ آمیزی سے کام لیا گیا ہے! یہ تو اہل کتاب جیسی کارروائی ہے۔ وہ بھی اپنے نبیوں کے بارے میں اسی طرح کے عقائد رکھتے تھے۔ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وهؤلاء فيهم شبه ظاهر من النصارى غلوا في المسيح أعظم الغلو ،
وخالفوا شرعه ودينه أعظم المخالفة ، والمقصود أنّ هؤلاء يصدّقون
بالأحاديث المكذوبة ويحرفون الأحاديث الصحيحة .

”ان لوگوں میں ان نصاریٰ سے واضح مشابہت موجود ہے جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے



بارے میں بہت زیادہ غلو سے کام لیا اور ان کے دین و شریعت کی سب سے بڑھ کر مخالفت کی۔ مقصود یہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹی احادیث پر ایمان رکھتے ہیں اور صحیح احادیث میں تحریف سے کام لیتے ہیں۔“ (التبیان فی ایمان القرآن لابن القيم، ص: ۷۸)

ان اہل بدعت میں اور اہل کتاب میں کتنی مماثلت پائی جاتی ہے۔ یہ بھی اپنے عقائد باطلہ و ضالہ پر قرآن و حدیث اور اجماع امت پیش کرنے سے عاجز و قاصر رہے ہیں اور رہیں گے۔ صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ دین سے کچھ ثابت نہیں کر سکے، البتہ یہود کی محرف کتاب سے ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اندازہ کریں کہ ان عقائد میں کتنی سچائی ہوگی؟

عقیدہ نمبر ۱۴ : سہل بن عبد اللہ تستری سے نقل کیا گیا ہے:

من لم ير ولاية الرسول في جميع أحوال ، ولم ير نفسه في ملكه ، لا يذوق حلاوة سنته . ”جو ہر حال میں نبی ﷺ کو اپنا والی اور اپنے آپ کو حضور کی ملک نہ جانے، وہ سنت نبی ﷺ کی حلاوت سے اصلاً خبردار نہ ہوگا۔“

(الأمن والعلىٰ از احمد رضا، ص: ۷۴)

یہ بے سند قول ہے۔ بے سرو پا اقوال وہی پیش کرتے ہیں جن کی اپنی کوئی سند نہیں ہوتی۔ مندرجہ بالا بے سند قول سے بریلوی صاحب نے عقیدہ یہ ثابت کیا ہے:

”جو حضور کو اپنا مالک نہ جانے، سنت کی حلاوت نہ پائے۔“

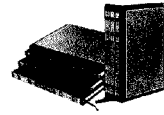
جب اطاعت رسول کی بات آتی ہے تو امتیوں کی تقلید کا پٹہ گلے میں ڈال لیتے ہیں۔ دوسری طرف نبی اکرم ﷺ کو مقام الوہیت پر لا کھڑا کیا ہے۔ ان کا بس چلے تو یہ پہلے انبیائے کرام کے بارے میں بھی یہی عقیدہ بیان کر دیں لیکن ان کو پھر خیال آتا ہے کہ یہودی اور عیسائی کہیں گے کہ ہمارے اور تمہارے عقائد میں کیا فرق ہے؟؟؟





غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

قیامت کب آئے گی؟



قیامت کب آئے گی؟ یہ غیب کی بات ہے اور غیب کی بات اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نہیں جانتا جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ﴾ ☆ بَلِ إِذَا رَأَىٰ عِلْمُهُمْ فِي الْآخِرَةِ بَلٌ هُمْ فِي شَكٍّ مِنْهَا بَلْ هُمْ عَنْهَا عَمُونَ ﴿النمل: ۶۵، ۶۶﴾

”کہہ دیجیے: آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی بھی غیب (کی بات) نہیں جانتا، اور (جن کو کفار پکارتے ہیں) وہ تو یہ بھی نہیں جانتے کہ وہ (قبروں سے) کب اٹھائے جائیں گے۔ بلکہ آخرت کے بارے میں ان کا علم ختم ہو چکا، بلکہ وہ آخرت کے متعلق شک میں ہیں، بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔“

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں امام ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

يقول تعالى ذكره لنبيه محمد صلى الله عليه وسلم : قل يا محمد لسائليك من المشركين عن الساعة متى هي قائمة : لا يعلم من في السماوات والأرض الغيب الذي قد استأثر الله بعلمه ، وحجب عنه خلقه ، غيره ، والساعة من ذلك . ”اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد ﷺ سے فرما رہا ہے: اے

محمد ﷺ! ان مشرکین سے جو آپ سے سوال کرتے ہیں کہ قیامت کب قائم ہوگی؟ کہہ دیجیے کہ آسمانوں اور زمین میں اس کے سوا غیب کو کوئی نہیں جانتا۔ غیب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے لیے مخصوص کر لیا ہے اور اپنی مخلوق سے اسے چھپا لیا ہے۔ قیامت بھی اسی غیب میں

سے ہے۔“ (تفسیر الطبری: ۸/۲۰)



قیامت کب واقع ہوگی؟ اس کا یقینی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ یہ اہل سنت والجماعت کا اتفاقی و اجماعی عقیدہ ہے۔ اس عقیدے پر حدیثی دلائل ملاحظہ فرمائیں:

دلیل نمبر ①: سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم في قبة حمراء ، إذا جاءه رجل على فرس عقوق يتبعها مهره ، فقال : من أنت ؟ قال : ((أنا رسول الله)) قال : متى الساعة ؟ قال : ((غيب ، ولا يعلم الغيب إلا الله))

”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک سرخ رنگ کے شامیانے میں تشریف فرما تھے کہ اچانک ایک شخص نمودار ہوا جو حاملہ اونٹنی پر سوار تھا، اونٹنی کا بچہ اس کے پیچھے پیچھے چل رہا تھا۔ اس شخص نے (آتے ہی) کہا: آپ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اللہ کا رسول ہوں۔ کہا: قیامت کب آئے گی؟ فرمایا: یہ غیب کی بات ہے اور غیب اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“

(المستدرک علی الصحیحین للحاکم : ۱۰۸/۱، المعجم الکبیر للطبرانی : ۱۸/۷، والسیاق له، مسند الرؤیانی : ۱۱۴۸، وسندہ صحیح)

اس حدیث کو امام حاکم رحمۃ اللہ علیہ نے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ نے اسے امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ کی شرط پر ”صحیح“ کہا ہے۔

حافظ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: رجالہ رجال الصحیح۔ ”اس کے تمام راوی صحیح والے راوی ہیں۔“ (مجمع الزوائد للہیثمی : ۲۲۷/۸)

دلیل نمبر ②: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ((مفاتیح الغیب خمس ، لا یعلمها إلا الله ، لا یعلم ما فی غد إلا الله ، ولا یعلم ما تغیض الأرحام إلا الله ، ولا یعلم متى یأتی المطر إلا الله ، ولا تدری نفس بأی أرض تموت ، ولا یعلم متى تقوم الساعة إلا الله))



”پانچ چیزیں غیب کی کنجیاں ہیں، انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ (عورتوں کے) رحم کیا چیز کم کرتے ہیں۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب آئے گی۔ کوئی جان نہیں جانتی کہ وہ کس زمین میں فوت ہوگی۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب قائم ہوگی۔“

(صحیح البخاری: ۶۸۱/۸، ح: ۴۶۹۷)

دلیل نمبر ۳ : سیدنا جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ سے پوچھا کہ

قیامت کب آئے گی؟ تو آپ ﷺ نے یوں جواب دیا:

”ما المسؤول عنها بأعلم من السائل، ولكن سأحدثك عن أشراطها...“
”جس سے قیامت کے بارے میں پوچھا گیا ہے، وہ اس بارے میں پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا۔ البتہ میں اس کی کچھ علامات تمہیں بتاؤں گا۔“

(صحیح البخاری: ۴۷۷۷، صحیح مسلم: ۹)

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۱۰-۷۸۲ھ) فرماتے ہیں:

”أى تساوى فى العجز عن درك ذلك علم المسؤول والسائل .“

”یعنی قیامت کو نہ جاننے کے حوالے سے سوال کرنے والے اور جس سے سوال کیا

گیا ہے، دونوں کا علم برابر ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر: ۶۸۰/۴، النمل: ۶۵، ۶۶)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (۷۳۳-۸۵۲ھ) فرماتے ہیں:

”أى إن كلّ مسؤول وكلّ سائل فهو كذلك .“

یہی حال ہے جس سے اس بارے میں سوال کیا جاتا ہے اور ہر سوال کرنے والے کا بھی یہی

حال ہے (کہ کسی کو بھی اس بارے میں علم نہیں)۔“ (فتح الباری لابن حجر: ۱/۱۲۱)

علامہ ابن رجب رحمہ اللہ (۷۳۶-۷۹۵ھ) فرماتے ہیں:



فمعناه : إنّ الناس كلّهم فى وقت الساعة سواء ، وكلّهم غير عالمين به على الحقيقة . ”اس کا معنی یہ ہے کہ قیامت قائم ہونے کے وقت کے بارے میں سب لوگ برابر لاعلم ہیں۔ درحقیقت سب اس بارے میں نہیں جانتے۔“

(فتح الباری فی شرح صحیح البخاری لابن رجب : ۱/۱۹۶)

شیخ الاسلام ثانی ، عالم ربانى ، علامہ ابن القیم رحمہ اللہ (۶۹۱-۷۵۱ھ) فرماتے ہیں :

وقد جاهر بالكذب بعض من يدعى فى زماننا العلم وهو يتشبع بما لم يعط أن رسول الله صلى الله عليه وسلم كان يعلم متى تقوم الساعة ، قيل له : فقد قال فى حديث جبريل : ((ما المسؤول عنها بأعلم من السائل)) ، فحرّفه عن موضعه وقال : معناه أنا وأنت نعلمها ، وهذا من أعظم الجهل وأقبح التحريف ، والنبي صلى الله عليه وسلم أعلم بالله من أن يقول لمن كان يظنه أعرابياً أنا وأنت نعلم الساعة ، إلا أن يقول هذا الجاهل : إنه كان يعرف أنه جبريل ، ورسول الله صلى الله عليه وسلم هو الصادق فى قوله : ((والذى نفسى بيده ! ما جاءنى فى صورة إلا عرفته غير هذه الصورة)) ، وفى اللفظ الآخر : ((ما شبه على غير هذه المرة)) ، وفى اللفظ الآخر : ((رُدُّوا على الأعرابى)) ، فذهبوا فالتمسوا فلم يجدوا شيئاً ، وإنما علم النبي صلى الله عليه وسلم أنه جبريل بعد مدّة ، كما قال عمر : فلبثت ملياً ، ثم قال النبي صلى الله عليه وسلم : ((يا عمر ! أتدرى من السائل ؟)) ، والمحرف يقول : علم وقت السؤال أنه جبريل ، ولم يخبر الصحابة بذلك إلا بعد مدّة ، ثم قوله فى الحديث : ((ما المسؤول عنها بأعلم من السائل)) يعمّ كل سائل ومسؤول ، فكلّ سائل ومسؤول عن هذه الساعة شأنهما كذلك ، ولكن هؤلاء الغلاة عندهم أن علم رسول الله صلى الله عليه وسلم منطبق على علم الله سواء بسواء ، فكلّ ما يعلمه الله يعلمه رسول الله صلى الله عليه وسلم ، والله تعالى



يقول : ﴿ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ﴾ ، وهذا فى براءة وهو فى أواخر براءة ، وهى من أواخر ما نزل من القرآن هذا ، والمنافقون جيرانه فى المدينة ، ومن هذا حديث عقد عائشة رضى الله عنها لما أرسل فى طلبه فأثاروا الجمل فوجدوه ، ومن هذا حديث تلقيح النخل ، وقال : ((ما أرى لو تركتموه يضره شيء)) ، فتركوه فجار شيصا ، فقال : ((أنتم أعلم بديناكم)) ، وقد قال الله تعالى : ﴿ قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبِ ﴾ ، وقال : ﴿ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَأَسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ﴾ ، ولما جرى لأُمّ المؤمنين عائشة ما جرى ، ورمأها أهل الإفك بما رموها به ، لم يكن صلى الله عليه وسلم يعلم حقيقة الأمر حتى جاءه الوحي من الله ببرائتها ، وعند هؤلاء الغلاة أنه عليه الصلاة والسلام كان يعلم الحال على حقيقته بلا ريبة ، واستشار الناس فى فراقها ودعا الجارية فسألها وهو يعلم الحال ، وقال لها : ((إن كنت أَلَمْتَ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِي اللَّهَ)) وهو يعلم علما يقينا أنها لم تَلَمْ بِذَنْبٍ ، ولا ريب أن الحامل لهؤلاء على هذا اللغو إنما هو اعتقادهم أنه يكفر عنهم سيئاتهم ويدخلهم الجنة ، وكلما غلوا وزادوا غلوا فيه كانوا أقرب إليه وأخص به ، فهم أعصى الناس لأمره وأشدّهم مخالفة لسنّته ، وهؤلاء فيهم شبه ظاهر من النصارى الذين غلوا فى المسيح أعظم الغلو وخالفوا شرعه ودينه أعظم المخالفة ، والمقصود أن هؤلاء يصدّقون بالأحاديث المكذوبة الصريحة ، ويحرّفون الأحاديث الصحيحة عن مواضعها لترويج معتقداتهم .

”ہمارے زمانے کے بعض نام نہاد علماء کا دعویٰ ہے کہ رسول اللہ ﷺ جانتے تھے کہ قیامت کب آئے گی؟ ان سے کہا گیا کہ حدیث جبریل میں رسول اللہ ﷺ نے اپنے بارے میں فرمایا تھا کہ جس سے قیامت کے بارے میں سوال کیا گیا ہے، وہ اس بارے میں سوال



کرنے والے سے زیادہ علم نہیں رکھتا۔ (صحیح مسلم : ۹۳) انہوں نے اس حدیث میں (معنوی) تحریف کرتے ہوئے کہا کہ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں اور تم دونوں اس کو جانتے ہیں۔ یہ سب سے بڑی جہالت اور سب سے قبیح تحریف ہے۔ نبی اکرم ﷺ جو اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تھے، ایک ایسے شخص کو جسے ایک بدوی سمجھ رہے تھے، کیسے کہہ سکتے تھے کہ میں اور تم دونوں قیامت کو جانتے ہیں؟ ہاں ہو سکتا ہے کہ یہ جاہل لوگ کہہ دیں کہ آپ ﷺ جبریل کو پہچان رہے تھے۔ لیکن رسول اللہ ﷺ اپنے اس فرمان میں سچے تھے کہ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! جبریل کسی بھی صورت میں آئے تو میں نے پہچان لیے، مگر میں اس صورت میں انہیں نہیں پہچان سکا۔ (مسند الإمام أحمد : ۵۳/۱، صحیح) ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں : جبریل علیہ السلام کسی بھی شکل میں مجھ پر مشتبہ نہیں ہوئے سوائے اس مرتبہ کے۔ (صحیح ابن خزیمہ : ۱، صحیح ابن حبان : ۱۷۳، وسندہ صحیح) ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ ﷺ نے (جبریل علیہ السلام کے جانے کے بعد) فرمایا : اس بدوی کو میرے پاس واپس لاؤ۔ صحابہ کرام گئے اور تلاش کیا لیکن وہ مل نہ سکے۔ (صحیح البخاری : ۵۰، ۴۷۷۷، صحیح مسلم : ۹۷) یقیناً نبی اکرم ﷺ کو جبریل علیہ السلام کے بارے میں ایک عرصہ بعد معلوم ہوا تھا جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : میں ایک عرصہ انتظار کرتا رہا، پھر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا : اے عمر! کیا تمہیں معلوم ہے کہ سوال کرنے والا کون تھا؟ (صحیح مسلم : ۹۳) جبکہ حدیث میں تحریف معنوی کرنے والوں کا کہنا ہے کہ سوال کرتے وقت ہی رسول اللہ ﷺ کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ جبریل ہیں لیکن آپ ﷺ نے صحابہ کرام کو ایک عرصہ بعد ہی یہ بات بتائی تھی۔ پھر اس حدیث میں یہ الفاظ ہیں کہ جس سے سوال کیا جا رہا ہے، وہ اس بارے میں سوال کرنے والے سے زیادہ علم نہیں رکھتا۔ (صحیح مسلم : ۹۳) یہ بات عام ہے، ہر وہ شخص جس سے قیامت کے بارے میں سوال کیا جائے اور ہر سوال کرنے والے کی حالت یہی ہوتی ہے (کہ انہیں قیامت کے بارے میں علم نہیں ہوتا)۔ اس کے برعکس ان غالی لوگوں کے موقف کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا علم اللہ تعالیٰ کے علم پر بالکل منطبق ہو گیا ہے۔ ان کے بقول ہر وہ



چیز جسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے، اسے رسول اللہ ﷺ بھی جانتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ﴾ (التوبة: ۱۰۸) [اور تمہارے آس پاس جو دیہاتی ہیں ان میں بعض منافق ہیں، اور بعض اہل مدینہ بھی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ (اے نبی!) آپ انہیں نہیں جانتے، ہم انہیں جانتے ہیں]۔ یہ فرمان باری تعالیٰ سورہ براءت میں ہے اور سورہ براءت کے بھی آخر میں ہے۔ سورہ براءت قرآن کریم کے ان مقامات میں سے جو آخر میں نازل ہوئے۔ یہ اس وقت کی حالت ہے جب منافقین مدینہ میں آپ کے پڑوس میں رہتے تھے۔ اسی طرح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہار کے گم ہونے کا واقعہ ہے۔ اس حدیث میں یہ مذکور ہے کہ آپ ﷺ نے ہار کو تلاش کرنے کے لیے صحابہ کرام کو بھیجا۔ پھر جب اونٹ کو اٹھایا گیا تو ہار اسی کے نیچے سے مل گیا۔ (صحیح البخاری: ۴۷۵) اسی طرح کھجوروں کی تاثیر والی حدیث ہے کہ آپ ﷺ نے اہل مدینہ سے فرمایا: میرا نہیں خیال کہ تم تاثیر چھوڑو اور اس سے کوئی نقصان ہو۔ اہل مدینہ نے تاثیر چھوڑ دی تو پھل کم آیا۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: تم اپنے دنیاوی معاملات کو مجھ سے بہتر جانتے ہو۔ (صحیح مسلم: ۱۸۳۶) اللہ تعالیٰ کا فرمان بھی ہے: ﴿قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبِ﴾ (الأنعام: ۵۰) (اے نبی! کہہ دیجیے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ میں غیب بھی نہیں جانتا) [، نیز فرمایا: ﴿وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَاسْتَكْشَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ﴾ (الأعراف: ۱۸۸) (اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو میں بہت سی بھلائیاں جمع کر لیتا)۔ پھر جب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ جو واقعہ پیش آیا اور بہتان لگانے والوں نے آپ پر بہتان لگایا تو نبی اکرم ﷺ کو اس وقت تک حقیقت معلوم نہیں تھی جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کے بارے میں وحی نازل نہیں ہوئی۔ ان غالی لوگوں کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کو ضرور حقیقتِ حال کا علم تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے علیحدگی اختیار کرنے کے بارے میں صحابہ کرام سے مشورہ کیا اور لونڈی (بریرہ رضی اللہ عنہا) کو بلا کر پوچھ گچھ کی، حالانکہ



آپ ﷺ کو ساری صورتِ حال معلوم تھی۔ آپ ﷺ نے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ بھی فرمایا کہ اگر تم سے گناہ ہو گیا ہے تو اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لو، (صحیح البخاری: ۴۷۵۰) حالانکہ آپ ﷺ کو یقینی طور پر معلوم تھا کہ انہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا!!! بلاشبہ ان لوگوں کو ایسی لغو باتیں کرنے پر ان کے اس عقیدے نے آمادہ کیا ہے کہ آپ ﷺ ان کے گناہ معاف کر دیں گے اور ان کو جنت میں داخل کر دیں گے۔ ان کا خیال ہے کہ وہ جتنا غلو کریں گے اتنا زیادہ آپ کے مقرب اور خاص لوگ بن جائیں گے۔ حالانکہ یہ لوگ سب لوگوں سے بڑھ کر آپ ﷺ کے اوامر اور آپ کی سنتوں کے مخالف و نافرمان ہیں۔ یہ لوگ واضح طور پر ان نصاریٰ سے مشابہت رکھتے ہیں جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بہت زیادہ غلو سے کام لیا اور ان کی شریعت کی بہت زیادہ مخالفت کی۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اپنے فاسد عقائد کو رواج دینے کے لیے یہ لوگ واضح طور پر جھوٹی ثابت ہو جانے والی احادیث کی تصدیق کرتے ہیں، جبکہ صحیح احادیث میں تحریف معنوی کرتے ہیں۔“

(المنار المنيف فى الصحيح والضعيف لابن القيم، ص: ۸۱-۸۴)

یہی عبارت من وعن جناب ملا علی قاری حنفی (م ۱۰۱۴ھ) نے اپنی کتاب الموضوعات الکبریٰ المعروف بہ ”موضات کبیر“ (ص ۱۱۹) میں نقل کی ہے۔

بات بڑی واضح ہے کہ جبریل علیہ السلام نے نبی اکرم ﷺ سے وقوع قیامت کے بارے میں پوچھا تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اس حوالے سے سائل و مسئلہ دونوں کا علم برابر ہے۔ یعنی عدم علم میں ہم دونوں مساوی ہیں۔ تمہیں بھی معلوم نہیں اور مجھے بھی کہ قیامت کب واقع ہوگی۔ ہاں البتہ قیامت کی چند نشانیاں میں تمہیں بتائے دیتا ہوں۔ یہ علامات اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو بتائی تھیں لیکن قیامت کا قطعی علم آپ کو نہیں دیا۔

دلیل نمبر (۴) : سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

لما كان ليلة أسرى برسول الله صلى الله عليه وسلم لقي إبراهيم وموسى وعيسى ، فتذاكروا الساعة ، فبدأ بإبراهيم ، فسأله عنها ، فلم يكن عنده منها



علم ، ثم سألوا موسى ، فلم يكن عنده منها علم ، فردّ الحديث إلى عيسى ابن مريم ، فقال : قد عهد إليّ فيما دون وجبتها ، فأما وجبتها فلا يعلمها إلا الله .

”رسول اللہ ﷺ نے معراج والی رات سیدنا ابراہیم ، سیدنا موسیٰ اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی۔ سب نے قیامت کے بارے میں مذاکرہ کیا (کہ وہ کب قائم ہوگی)۔ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے بات شروع ہوئی۔ ان سے سوال ہوا تو ان کے پاس اس بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا گیا تو ان کے پاس بھی اس بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ پھر سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کی طرف بات آئی تو انہوں نے فرمایا : اللہ تعالیٰ نے مجھ سے قیامت کے قائم ہونے سے پہلے (دنیا میں نزول کا) وعدہ کیا ہے۔ رہا اس کا قیام تو اسے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔“ (سنن ابن ماجہ : ۴۰۸۱، مسند الإمام أحمد : ۳۷۵/۱،

المستدرک علی الصحیحین للحاکم : ۴۰۳۸۴/۲، ۴۸۸/۴، وسندہ صحیح)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ”صحیح“ قرار دیا ہے۔

علامہ بوسیری رحمہ اللہ کہتے ہیں : هذا إسناد صحيح ، رجاله ثقات .

”یہ سند صحیح ہے اور اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔“ (مصباح الزجاجة : ۳۱۲/۲)

اس کا راوی مؤثر بن عفازہ ثقہ ہے۔ اسے امام عجلی رحمہ اللہ (۴۴۳) اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (الثقات : ۴۶۳/۵) نے ثقہ قرار دیا ہے۔ امام حاکم رحمہ اللہ نے ان کی اس حدیث کی سند کو ”صحیح“ کہا ہے جسے بیان کرنے میں منفرد ہیں۔ یہ بلاشبہ توثیق ہے۔ یہی حال ذہبی اور بوسیری کی تصحیح کا ہے۔ اسی سند کے ساتھ مستدرک حاکم (۳۸۴/۲) میں ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا : عهد الله إليّ فيما دون وجبتها ، فلا نعلمها .

”اللہ تعالیٰ نے مجھ سے قیامت قائم ہونے سے پہلے (دنیا میں نزول) کا وعدہ کیا



ہے۔ ہم قیامت کے قائم ہونے کا وقت نہیں جانتے۔“

حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :
 فہؤلاء اکابر أولى العزم من المرسلین ، لیس عندهم علم بوقت الساعة علی التعیین ، وإنما ردّوا الأمر إلى عیسیٰ علیہ السلام ، فتکلّم علی أشراطها ، لأنّه ينزل فی آخر هذه الأمة منفذا لأحكام رسول اللّٰه ، ویقتل المسيح الدّجال ، ویجعل اللّٰه هلاک یأجوج ومأجوج ببرکة دعائه ، فأخبر بما أعلمه اللّٰه تعالیٰ به .

”یہ انبیاء اولو العزم پیغمبروں میں سے بڑے بڑے پیغمبر تھے۔ ان کو قیامت کے قائم ہونے کا وقت معین طور پر معلوم نہیں تھا۔ ان سب نے اس معاملے کو عیسیٰ علیہ السلام کی طرف پھیر دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اس کی علامات کے بارے میں بات کی کیونکہ وہ اس امت کے آخری دور میں رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کو نافذ کرنے کے لیے نازل ہوں گے، مسیح دجال کو قتل کریں گے اور اللّٰہ تعالیٰ ان کی دعا کی برکت سے یا جوج ماجوج کو ہلاک کرے گا۔ (قیامت کے بارے میں) جو باتیں اللّٰہ تعالیٰ نے انہیں بتائی تھیں، وہ انہوں نے بیان کر دیں۔“

(تفسیر ابن کثیر: ۳/۲۴۸، الأعراف: ۱۸۷)

دلیل نمبر ⑤ : سیدنا جابر بن عبد اللّٰہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

سمعت النبیّ صلی اللّٰہ علیہ وسلّم یقول قبل أن یموت بشہر :
 ((تسألونی عن الساعة ، وإنما علمها عند اللّٰه))
 ”میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی موت سے ایک ماہ قبل یہ فرماتے ہوئے سنا: تم مجھ سے قیامت کے بارے میں سوال کرتے ہو حالانکہ اس کا علم تو اللّٰہ ہی کے پاس ہے۔“

(مسند الإمام أحمد: ۳/۳۲۶، صحیح مسلم: ۲/۳۱۰، ح: ۲۵۳۸)

تنبیہ : قرآن مجید، احادیث صحیحہ اور سلف صالحین کے متفقہ فہم کے خلاف بعض اہل بدعت کا کہنا ہے :
 ”صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ



آپ ﷺ کو علم قیامت ہے۔ مستدرک (ج ۴ ص ۵۶۷) عمران بن حصین سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے قیامت کا بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا: کیا تم جانتے ہو کہ یہ دن کون سا ہے؟ تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کی کہ اللہ کے رسول زیادہ جانتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اجمعین کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ آپ کو علم قیامت ہے۔“ (مقیاس: ۳۸۳، ۳۸۴)

تبصرہ: اس روایت میں قیامت کے وقوع کا ذکر تک نہیں۔ بعض

لوگوں نے تلمیس ابلیس سے کام لیتے ہوئے روایت کا وہ حصہ جو ان کے مدعا کے خلاف تھا، ہضم کر لیا تاکہ سادہ لوح عوام کو یہ باور کرا سکیں کہ وہ بھی اپنے عقیدے پر دلیل رکھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سراسر دھوکا ہے، کسی موضوع (من گھڑت) روایت میں بھی یہ بات نہیں ملتی کہ رسول اللہ ﷺ کو قیامت کے وقوع کا وقت معلوم تھا، ورنہ یہ لوگ ضرور ایسی روایت پیش کرتے، بلکہ اپنے ماتھے کا جھومر بناتے۔ یہ روایت اصل میں یوں ہے کہ نبی اکرم ﷺ آیت کریمہ: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ﴾ (الحج: ۱) تلاوت کی اور صحابہ کرام سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو کہ یہ کونسا دن ہے؟ صحابہ کرام عرض کرنے لگے: اللہ اور اس کے رسول کو بہتر معلوم ہے۔ اس پر نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((ذاکم یوم ینادی آدم، فینادیہ ربہ، فیکول: یا آدم! ابعث بعث النار، فیکول: وما بعث النار؟ فیکول: من کلّ ألف تسعمائة وتسع وتسعون إلى النار وواحد إلى الجنة)) ”یہ وہ دن ہوگا جب آدم کو پکارا جائے گا۔ آدم علیہ السلام کو ان کا رب پکارے گا اور فرمائے گا: آگ کا حصہ الگ کرو۔ آدم علیہ السلام عرض کریں گے: آگ کے حصے سے کیا مراد ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ہر 1000 میں سے 999 جہنم کی طرف اور ایک جنت کی طرف۔“

یعنی اس حدیث میں قیامت کے حالات کی بات ہو رہی ہے نہ کہ قیامت کے قائم



ہونے کے وقت کی۔ اس کے باوجود اہل بدعت و ضلالت اسے اپنے باطل عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ حق کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے!



ہوشیار باش!

امام وکیع بن جراح رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۷ھ) کی طرف یہ قول منسوب کیا جاتا ہے:

ما لقیئت أحداً أفقه من أبي حنيفة، ولا أحسن صلاة منه .

”میں نے امام ابوحنیفہ سے بڑھ کر فقیہ اور ان سے اچھی نماز پڑھنے والا کوئی نہیں

دیکھا۔“ (تاریخ بغداد للخطیب: ۳۴۵/۱۳)

لیکن یہ قول موضوع (من گھڑت) ہے۔ امام وکیع رحمۃ اللہ علیہ اس سے بالکل بری ہیں۔ یہ احمد بن صلت کی کارستانی ہے، جو بالا جماع جھوٹا اور وضاع (من گھڑت روایات بیان کرنے والا) تھا۔

اس کے بارے میں امام دارقطنی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: يضع الحديث .

”یہ اپنی طرف سے حدیث گھڑتا تھا۔“ (الضعفاء والمتروکون: ۵۹)

امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ کی بھی اس کے بارے میں یہی رائے ہے۔ (المجروحین: ۱۵۳/۱)

امام ابن عدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: وما رأيت في الكذابين أقل حياء منه .

”جھوٹے لوگوں میں سے میں نے اس سے بڑھ کر کم حیا والا آدمی کوئی نہیں دیکھا۔“

(الکامل لابن عدی: ۱۹۹/۱)

امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں: حدث بأحاديث ، أكثرها

باطلة هو وضعها ، ويحكي أيضا عن بشر بن الحارث ويحيى بن معين وعلي بن

المديني أخبارا جمعها بعد أن وضعها في مناقب أبي حنيفة .

”اس نے بہت سی ایسی احادیث بیان کی ہیں، جن میں سے اکثر اس نے خود گھڑی ہیں،

نیز یہ بشر بن الحارث، امام یحییٰ بن معین اور امام علی بن المدینی رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب اقوال خود گھڑ کر

امام ابوحنیفہ کے مناقب میں بیان کرتا تھا۔“ (تاریخ بغداد للخطیب: ۳۳/۵)





بشریتِ نبوی

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری



محمد رسول اللہ ﷺ بشر تھے۔ یہ عقیدہ قرآن و حدیث اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ اس کے برعکس بعض لوگوں کا عقیدہ ہے کہ آپ ﷺ ظاہراً بشر تھے اور حقیقت میں نور تھے۔ دلائل سے عاری یہ عقیدہ انتہائی گمراہ کن اور کفریہ ہے۔ آپ ﷺ کے جنس بشریت سے ہونے کا کوئی انکار نہیں کر سکتا، اسی لیے رافضی اور اس دور کے جہمی صوفی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے بشریت کا لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔

یہ بات غور کرنے کی ہے کہ مشرکین مکہ اور پہلی امتوں کے کفار کو انبیائے کرام علیہم السلام پر ایمان لانے میں مانع یہی بات تھی کہ ان کی طرف آنے والے نبی جنس بشریت سے تعلق رکھتے تھے۔ ہر دور کے کفار بشریت کو نبوت و رسالت کے منافی خیال کرتے تھے۔ آج کے دور میں بھی بعض لوگ نبی اکرم ﷺ کی بشریت سے انکاری ہیں۔ دراصل یہ ایک بڑی حقیقت کا انکار ہے۔ جب کفار مکہ نے نبی اکرم ﷺ کی نبوت کا انکار کرنے کے لیے آپ ﷺ کی بشریت کو بہانہ بنانا چاہا تو قرآن کریم نے یہ نہیں کہا کہ آپ ﷺ بشر نہیں لہذا ایمان لے آؤ، بلکہ اللہ تعالیٰ نے بہت سی آیات بینات میں آپ ﷺ کے بشر ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔ ایک مقام پر فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدَىٰ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا رَسُولًا﴾ ☆ قُلْ لَوْ كَانَتْ فِي الْأَرْضِ مَلَائِكَةٌ يُمَشُّونَ مُطْمَئِنِّينَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَسُولًا ﴿﴾ (بنی اسرائیل: ۹۴، ۹۵)

”اور لوگوں کے پاس ہدایت آجانے کے بعد ان کو ایمان لانے سے صرف اس چیز نے روکا کہ انھوں نے کہا: کیا اللہ نے بشر رسول بھیجا ہے؟ کہہ دیجیے: اگر زمین میں فرشتے



ہوتے جو یہاں مطمئن ہو کر چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ ہی رسول بنا کر نازل کرتے۔“

یعنی اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے رد میں فرمایا کہ زمین پر انسان اور بشر بستے ہیں، لہذا انسانوں کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے جنس بشر ہی سے نبی اور رسول ہونا چاہیے۔ ہاں اگر فرشتے زمین پر آباد ہوتے تو انہی کی نسل سے رسول ہوتا۔ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ نبی اکرم ﷺ جنس بشر سے تعلق رکھتے تھے۔ ورنہ مشرکین کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرما دیتے کہ آپ ﷺ تو محض بشریت کے لبادے میں ہیں، حقیقت میں نور ہی ہیں۔ یوں مشرکین کا اعتراض سرے سے ختم ہو جاتا کیونکہ ان کے بقول بشر رسول نہیں ہو سکتا تھا۔

دوسری بات یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے پہلے سارے انبیاء علیہم السلام بشر ہی تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ انسانوں کی ہدایت کے لیے انسان ہی نبی ہو سکتا ہے۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللَّهِ تَبْدِيلًا﴾ (الأحزاب: ۶۲)

”اور آپ اللہ کے قانون کو تبدیل ہوتا نہیں پائیں گے۔“

رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت بھی یہ قانون الہی نہیں بدلا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ق وَالْقُرْآنِ الْمَجِيدِ ☆ بَلْ عَجِبُوا أَنْ جَاءَهُمْ مُنْذِرٌ

مِنْهُمْ فَقَالَ الْكَافِرُونَ هَذَا شَيْءٌ عَجِيبٌ﴾ (ق: ۲۰۱)

”ق! قسم ہے قرآنِ مجید کی، بلکہ انھوں نے تعجب کیا کہ ان کے پاس انہی میں سے

ایک ڈرانے والا آیا، پھر کافروں نے کہا: یہ تو عجیب بات ہے۔“

”انہی میں سے“ کے الفاظ سے ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ جن لوگوں کی طرف

مبعوث ہوئے تھے، انہی کی جنس سے تھے۔ تبھی تو مشرکین کو تعجب ہوا کہ ہم میں سے ایک

انسان نبوت کا دعویٰ کر کیسے بن گیا؟ بشر کیسے اللہ کا رسول ہو سکتا ہے؟

ایک مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿أَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا أَنْ أَوْحَيْنَا إِلَى رَجُلٍ



﴿مِنْهُمْ﴾ (یونس : ۲) ”کیا لوگوں کے لیے یہ تعجب کی بات ہے کہ ہم نے انہی میں سے ایک مرد کی طرف وحی بھیجی؟“

جب مشرکین مکہ نے نبی اکرم ﷺ کے بشر رسول ہونے پر شک و شبہ کا اظہار کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو دو طرح سے سمجھایا:

① ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رِجَالًا نُوْحِيْ اِلَيْهِمْ فَاَسْأَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ (النحل : ۴۳، الانبیاء : ۷)

”اور ہم نے آپ سے پہلے بھی مرد ہی (نبی) بھیجے تھے، ہم ان کی طرف وحی کرتے تھے، لہذا تم اہل ذکر (اہل کتاب) سے پوچھ لو اگر تم علم نہیں رکھتے۔“

② ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ أَنْ يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْهُدٰى إِلَّا أَنْ قَالُوا أَبْعَثِ اللّٰهَ بَشَرًا رَّسُوْلًا ☆ قُلْ لَوْ كَانَ فِی الْاَرْضِ مَلَائِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّیْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا﴾ (بنی اسرائیل : ۹۴، ۹۵)

”اور لوگوں کے پاس ہدایت آجانے کے بعد ان کو ایمان لانے سے صرف اس چیز نے روکا کہ انھوں نے کہا: کیا اللہ نے بشر رسول بھیجا ہے؟ کہہ دیجیے: اگر زمین میں فرشتے ہوتے جو یہاں مطمئن ہو کر چلتے پھرتے تو ہم ان پر آسمان سے کوئی فرشتہ ہی رسول بنا کر نازل کرتے۔“

پھر فرمایا: اگر تمہیں انکار ہے کہ نبی بشر نہیں ہو سکتا تو میرے اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ: ﴿قُلْ كَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا بَیْنِیْ وَبَیْنِكُمْ اِنَّہٗ كَانَ بِعِبَادِہٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا﴾

”کہہ دیجیے: میرے اور تمہارے درمیان اللہ کی گواہی کافی ہے۔ وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا اور انہیں دیکھنے والا ہے۔“

اب تمہاری مرضی ہے کہ مانو یا نہ مانو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ ہی کی زبانی آپ کی بشریت کا اعلان کرا دیا:



﴿قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰ إِلَيَّ...﴾ (الكهف: ١١٠، حم السجدة: ٦)

”کہہ دیجیے کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں، میری طرف وحی کی جاتی ہے۔“

نیز جب کفار مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے کئی ایک معجزات کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے

آپ ﷺ سے فرمایا: ﴿قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا﴾ (بنی اسرائیل: ٩٣)

”کہیے: میرا رب پاک ہے، میں تو بس ایک بشر رسول ہوں۔“

ایک مقام پر ارشاد ہے: ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ﴾ (التوبة: ١٢٨)

”یقیناً تمہارے پاس تمہاری جانوں میں سے ایک رسول آیا ہے۔“

مزید فرمایا: ﴿كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنْكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا﴾ (التوبة: ١٥١)

”جس طرح ہم نے تمہارے اندر تمہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیات

کی تلاوت کرتا ہے۔“

ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے بارے میں یوں فرمایا:

﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ إِذْ قَالُوا مَا أَنزَلَ اللَّهُ عَلَىٰ بَشَرٍ مِّن شَيْءٍ﴾

”اور انھوں نے اللہ کی قدر نہیں کی جس طرح اس کی قدر کرنے کا حق ہے، جس وقت

انھوں نے کہا: اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔“

پھر ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قُلْ مَنْ أَنزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ نُورًا وَهُدًى لِلنَّاسِ﴾ (الأنعام: ٩١)

”کہہ دیجیے: پھر وہ کتاب کس نے نازل کی تھی جسے موسیٰ لائے تھے، جو تمام انسانوں

کے لیے روشنی اور ہدایت تھی۔“

قوم نوح نے نوح علیہ السلام کی نبوت کا انکار بھی اسی وجہ سے کیا تھا۔ فرمان الہی ہے:

﴿مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا﴾ (هود: ٢٧)

”ہم تجھے بس اپنے ہی جیسا بشر دیکھتے ہیں“

سنی مفسر امام ابن جریر طبری رحمہ اللہ (۲۲۳-۳۱۰ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :
 ووجدوا نبوة نبيهم نوح عليه السلام : ما نراك يا نوح إلا بشرا مثلنا ،
 يعنون بذلك أنه آدمي مثلهم في الخلق والصورة والجنس ، فإنهم كانوا
 منكربين أن يكون الله يرسل من البشر رسولا إلى خلقه .

”انہوں نے اپنے نبی نوح علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا (اور کہا): اے نوح! ہم تجھے
 اپنے جیسا بشر ہی دیکھتے ہیں۔ ان کی مراد یہ تھی کہ نوح علیہ السلام تخلیق، شکل و صورت اور جنس میں
 انہی کی طرح کے ایک آدمی ہیں۔ کفار اس بات کو تسلیم نہیں کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق
 کی طرف جنس بشر میں سے رسول بھیجے۔“ (تفسیر الطبری: ۳۶/۱۲)

فرعون اور اس کے حواریوں نے موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے بارے میں کہا تھا:

﴿أَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا﴾ (المؤمنون: ۴۷)

”کیا ہم اپنے جیسے دو بشروں پر ایمان لائیں؟“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ أَزْوَاجًا
 وَذُرِّيَّةً وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ﴾ (الرعد: ۳۸)
 ”اور بے شک ہم نے آپ سے پہلے کئی رسول بھیجے، اور ہم نے انھیں بیوی بچوں
 والے بنایا۔ اور کسی رسول کو یہ اختیار نہ تھا کہ وہ کوئی نشانی (معجزہ) لائے مگر اللہ کے اذن
 سے۔ ہر مقررہ وقت کے لیے ایک کتاب (لکھا ہوا وقت) ہے۔“

اس آیت کی تفسیر میں امام طبری رحمہ اللہ (۲۲۳-۳۱۰ھ) فرماتے ہیں:

يقول تعالى ذكره : ولقد أرسلنا يا محمد ! رسلا من قبلك إلى أمم قد
 خلت من قبل أممتك ، فجعلناهم بشرا مثلك ، لهم أزواج ينكحون وذرية
 أنسلوهم ، ولم نجعلهم ملائكة لا يأكلون ولا يشربون ولا ينكحون ، فنجعل
 الرسول إلى قومك من الملائكة مثلهم ولكن أرسلنا إليهم بشرا مثلهم ، كما
 أرسلنا إلى من قبلهم من سائر الأمم بشرا مثلهم ...



”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے محمد (ﷺ)! یقیناً ہم نے آپ سے پہلے ان امتوں کی طرف رسول بھیجے تھے جو آپ کی امت سے پہلے ہو گزری ہیں۔ ہم نے ان کو آپ کی طرح بشر ہی بنایا تھا، ان کی بیویاں تھیں جن سے انہوں نے نکاح کیے اور ان کی اولاد بھی تھی جن سے ان کی نسل چلی۔ ہم نے ان کو فرشتے نہیں بنایا تھا کہ وہ نہ کھاتے پیتے اور نہ نکاح کرتے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم پہلی قوموں کی طرح آپ کی قوم کی طرف بھی فرشتوں میں سے رسول بھیجتے۔ لیکن ہم نے آپ کی قوم کی طرف ان جیسا ایک بشر بھیجا ہے جیسا کہ پہلی امتوں کی طرف ان کی طرح کے بشر ہی رسول بن کر آتے رہے۔۔۔“ (تفسیر الطبری: ۱۳/۲۱۶)

مشرکین کے ایک مطالبے کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلْبِسُونَ﴾ (الأنعام: ۹)

”اور اگر ہم اس (نبی) کو فرشتہ بنا کر بھیجتے تو بھی ہم اسے انسان ہی کی شکل میں بھیجتے اور (تب بھی) ہم انھیں اسی شے میں ڈالتے جس میں وہ اب پڑے ہوئے ہیں۔“

امام ابن حبان رحمہ اللہ (م ۳۵۴ھ) ایک حدیث پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

والمصطفیٰ خیر البشر صلی، فسہا . ”مصطفیٰ ﷺ جو کہ خیر البشر

تھے، انہوں نے نماز پڑھی اور بھول گئے۔“ (صحیح ابن حبان، ح: ۴۰۷۴)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۰۱-۷۷۴ھ) فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي مَلَكٌ﴾ (میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں) کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

أى ولا ادعى أنى ملك، إنما أنا بشر من البشر، يوحى إلى من الله عز وجل، شرفنى بذلك، وأنعم على به . ”یعنی میں یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ میں

فرشتہ ہوں۔ میں تو ایک بشر ہی ہوں۔ میری طرف اللہ عزوجل کی طرف سے وحی کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وجہ سے مجھے شرف عطا کیا ہے اور مجھ پر خاص انعام کیا ہے۔“

(تفسیر ابن کثیر: ۶/۴۱، مکتبۃ أولاد الشيخ للتراث)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) مشرکین مکہ کے بارے میں فرماتے ہیں:



کفار قریش يستبعدون كون محمد صلى الله عليه وسلم رسولا من الله
 لكونه بشرا من البشر . ”کفار قریش، محمد ﷺ کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے
 رسول ہونے کو اس لیے محال سمجھتے تھے کہ آپ ﷺ جنس بشر میں سے ایک بشر تھے۔“

(فتح الباری لابن حجر: ۱۰/۱۹۱)



علی مولا!

امام اللغة والنحو والادب والانساب محمد بن زياد ابن الاعرابي ابو عبد الله الهاشمي رحمه الله
 (۱۵۰-۲۳۱ھ) فرماتے ہیں: والمولى ابن العمّ، والمولى المُعْتَق، والمولى
 المُعْتَق، والمولى الجار، والمولى الشريك، والمولى الحليف، والمولى المحبّ
 ، والمولى اللوى، والمولى الوليّ، ومنه قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: ((من كنت
 مولاہ فعليّ مولاہ))، معناه من تولّاني فليتولّ عليّا، قال ثعلب: وليس هو كما تقول
 الرافضة: إنّ عليّاً مولى الخلق ومالكهم، وكفرت الرافضة في هذا لأنّه يفسد من باب
 المعقول لأنّا رأيناہ يشتري ويبيع، فإذا كانت الأشياء ملكه فمن من يشتري ويبيع،
 ولكنه من باب المحبة والطاعة. ”چچا زاد، آزاد کرنے والے، آزاد ہونے والے،
 کاروباری سا جھی، معاہدہ کرنے والے، محبت کرنے والے، بااثر اور دوست سب کو مولا کہتے
 ہیں۔ نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: ((من كنت مولاہ فعليّ مولاہ)) (جس کا میں دوست ہوں،
 اس کا علی رضی اللہ عنہ بھی دوست ہے)۔ یعنی جو مجھ سے محبت رکھتا ہے، وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے بھی محبت
 رکھے۔ ثعلب کہتے ہیں: رافضیوں کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ پوری مخلوق کے مولا، یعنی مالک
 ہیں۔ اس معاملے میں رافضی لوگ کفر کے مرتکب ہوئے ہیں۔ یہ بات تو عقلی اعتبار سے بھی غلط
 ہے کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خرید و فروخت کرتے تھے۔ جب تمام چیزیں اُن کی
 ملکیت تھیں تو خرید و فروخت کیسی؟ مذکورہ حدیث میں لفظ مولا، محبت اور دوستی کے باب سے
 ہے۔“ (تاریخ ابن عساکر: ۴۲/۲۳۸، وسندہ صحیح)





غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

عالم الغیب کون؟

مطلق طور پر علم غیب اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ یہ عقیدہ قرآن، حدیث، اجماع امت اور ائمہ سلف کی تصریحات سے ثابت ہے۔ اس کے باوجود سلف صالحین کی مخالفت میں بعض لوگ نبی اکرم ﷺ کو بھی عالم الغیب کہتے ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو ما کان وما یکون (جو کچھ ہو گیا اور جو کچھ ہونے والا ہے) کا علم ہے۔ وہ قرآن و حدیث کی واضح نصوص کی تاویل کرتے ہیں۔

ایسے لوگوں کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (۶۶۱-۷۲۸ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا أَهْلُ الْبِدْعِ فَهُمْ أَهْلُ أَهْوَاءٍ وَشَبَهَاتٍ يَتَّبِعُونَ أَهْوَاءَهُمْ فِيمَا يَحْبَوْنَ وَبِغَضُونِهِ وَيَحْكُمُونَ بِالظَّنِّ وَالشَّيْبَةِ ، فَهُمْ يَتَّبِعُونَ الظَّنَّ وَمَا تَهْوَى الْأَنْفُسُ ، وَلَقَدْ جَاءَهُمْ مِنْ رَبِّهِمُ الْهُدَى ، فَكَلَّ فَرِيقٌ مِنْهُمْ قَدْ أَصَلَ لِنَفْسِهِ أَصْلَ دِينٍ وَضَعَهُ ، إِمَّا بِرَأْيِهِ وَقِيَاسِهِ الَّذِي يَسْمِيهِ عَقْلِيَّاتٍ ، وَإِمَّا بِذَوْقِهِ وَهَوَاهُ الَّذِي يَسْمِيهِ ذَوْقِيَّاتٍ ، وَإِمَّا بِمَا يَتَأَوَّلُهُ مِنَ الْقُرْآنِ وَيَحَرِّفُ فِيهِ الْكَلِمَ عَنْ مَوَاضِعِهِ وَيَقُولُ : إِنَّهُ إِنَّمَا يَتَّبِعُ الْقُرْآنَ كَالْخَوَارِجِ ، وَإِمَّا بِمَا يَدَّعِيهِ مِنَ الْحَدِيثِ وَالسُّنَّةِ ، وَيَكُونُ كَذِبًا وَضَعِيفًا كَمَا يَدَّعِيهِ الرُّوَافِضُ مِنَ النَّصِّ وَالْآيَاتِ ، وَكَثِيرٌ مِمَّنْ يَكُونُ قَدْ وَضَعَ دِينَهُ بِرَأْيِهِ أَوْ ذَوْقِهِ يَحْتَجُّ مِنَ الْقُرْآنِ بِمَا يَتَأَوَّلُهُ عَلَى غَيْرِ تَأَوُّلِهِ ، وَيَجْعَلُ ذَلِكَ حُجَّةً لَا عَمْدَةَ ، وَعَمْدَتُهُ فِي الْبَاطِنِ عَلَى رَأْيِهِ كَالْجَهْمِيَّةِ وَالْمُعْتَزَلَةِ فِي الصِّفَاتِ وَالْأَفْعَالِ بِخِلَافِ مَسَائِلِ الْوَعْدِ وَالْوَعِيدِ ، فَإِنَّهُمْ قَدْ يَقْصِدُونَ مَتَابَعَةَ النَّصِّ ، فَالْبِدْعُ نَوْعَانِ نَوْعٌ كَانَ قَصْدُ أَهْلِهَا مَتَابَعَةَ النَّصِّ وَالرَّسُولِ ، لَكِنْ غَلَطُوا فِي فَهْمِ الْمَنْصُوصِ وَكَذَّبُوا بِمَا يَخْلَفُ ظَنَّهُمْ مِنَ الْحَدِيثِ وَمَعَانِي الْآيَاتِ



کالخوراج ، وكذلك الشيعة المسلمين بخلاف من كان منافقا زنديقا يظهر التشيع وهو في الباطن لا يعتقد الاسلام ، وكذلك المرجئة ...

”اہل بدعت نفس پرست اور شبہات کی پیروی کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ پسند اور ناپسند میں اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں اور ظن اور شبہات کے مطابق فیصلہ کرتے ہیں۔ وہ ظن اور نفسانی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں حالانکہ ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے ہدایت آچکی ہے۔ اہل بدعت کے ہر گروہ نے اپنے لیے اس دین کو دلیل بنایا ہوا ہے جسے اس نے خود گھڑا ہے۔ بعض نے اپنی رائے اور قیاس کو دین بنایا ہے اور اسے عقلیات کا نام دیتا ہے، بعض نے اپنے ذوق اور خواہش کو دین بنایا ہے اور اسے ذوقیات کا نام دیتا ہے، بعض نے قرآن کریم کی تفسیر میں تحریف معنوی سے کام لیا ہے اور کہا ہے کہ وہ قرآن کریم کی پیروی خوارج کی طرح کرتے ہیں اور بعض نے حدیث اور سنت کی پیروی کا دعویٰ کیا ہے لیکن ان کے دلائل وہ روایات ہیں جو جھوٹی اور ناقابل اعتبار ہیں جیسا کہ رافضی لوگ نص اور آیات کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اکثر اہل بدعت نے اپنی رائے اور ذوق کے مطابق اپنا دین بنایا ہوا ہے اور وہ قرآن کریم کی غلط تفسیر کر کے اپنے دلائل تراشتے ہیں۔ یہ لوگ قرآن کریم کو اپنی دلیل بناتے ہیں، لیکن اس پر اعتماد نہیں کرتے، ان کا اعتماد درحقیقت اپنی رائے پر ہوتا ہے جیسا کہ جہمیہ اور معتزلہ لوگوں کا صفات و افعال باری تعالیٰ کے بارے میں حال ہے۔ وعد و وعید کے مسائل میں ان کی صورت حال اس کے برعکس ہوتی ہے، کیونکہ بسا اوقات یہ لوگ نصوص کی پیروی کا ارادہ کرتے ہیں۔ چنانچہ بدعت کی دو قسمیں ہیں: ایک قسم وہ ہے کہ اس کے مرتکب لوگوں کی نیت قرآن و سنت کی پیروی ہوتی ہے لیکن وہ نصوص کو سمجھنے میں غلطی کھا جاتے ہیں اور اپنی عقل کے خلاف آنے والی احادیث اور تفسیر کو جھٹلا دیتے ہیں جیسا کہ خوارج اور مسلمان شیعہ لوگوں کا حال ہے۔ جو لوگ منافق اور زندق ہیں اور ظاہر میں شیعہ کہلاتے ہیں جبکہ باطن میں وہ اسلام کو مانتے ہی نہیں، ان کا

معاملہ اس کے برعکس ہے (یعنی ایسے بدعتی قرآن و سنت کی پیروی کا ارادہ ہی نہیں رکھتے)۔۔۔ (النبوات لابن تیمیہ، ص: ۹۵)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۰۱-۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:

ولهذا قال تعالى: ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ﴾، أى ضلال وخروج عن الحق إلى الباطل ﴿فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ﴾، أى إِنَّمَا يَأْخُذُونَ مِنْهُ بِالْمُتَشَابِهِ الَّذِي يُمْكِنُهُمْ أَنْ يَحَرِّفُوهُ إِلَى مَقَاصِدِهِمُ الْفَاسِدَةِ، وَيَنْزِلُوهُ عَلَيْهَا، لِاحْتِمَالِ لَفْظِهِ لَمَّا يَصْرِفُونَهُ، فَأَمَّا الْمُحْكَمُ فَلَا نَصِيبَ لَهُمْ فِيهِ، لِأَنَّهُ دَامِغٌ لَهُمْ وَحِجَّةٌ عَلَيْهِمْ، وَلِهَذَا قَالَ: ﴿ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ﴾، أى الإِضْلالَ لِأَتْبَاعِهِمْ، إِيهَامًا لَهُمْ أَنَّهُمْ يَحْتَجُّونَ عَلَى بَدْعَتِهِمْ بِالْقُرْآنِ، وَهَذَا حِجَّةٌ عَلَيْهِمْ لَا لَهُمْ، كَمَا لَوْ احْتَجَّ النَّصَارَى بِأَنَّ الْقُرْآنَ قَدْ نَطَقَ بِأَنَّ عِيسَى هُوَ رُوحُ اللَّهِ وَكَلِمَتُهُ أَلْقَاهَا إِلَى مَرْيَمَ، وَتَرَكُوا الْاِحْتِجَاجَ بِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ﴾ (الزخرف: ۵۹) وبقوله: ﴿إِنَّ مَثَلَ عِيسَى عِنْدَ اللَّهِ كَمَثَلِ آدَمَ خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ﴾ (آل عمران: ۵۹)، وَغَيْرَ ذَلِكَ مِنَ الْآيَاتِ الْمُحْكَمَةِ الْمَصْرُوحَةِ بِأَنَّهُ خَلَقَ مِنْ مَخْلُوقَاتِ اللَّهِ وَعَبْدٌ وَرَسُولٌ مِنْ رَسْلِ اللَّهِ.....

”اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ گمراہ اور حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف جانے والے لوگ قرآن کریم کے ان متشابہ مقامات سے دلیل لیتے ہیں جن میں اپنے فاسد مقاصد کے لیے تحریف کرنا ان کے لیے ممکن ہوتا ہے اور اس کے لفظوں میں ان کے مقاصد کا احتمال ہوتا ہے۔ محکم آیات میں ان کے لیے ایسا کرنا ممکن نہیں ہوتا کیونکہ محکم آیات ان کا سخت رد کرتی ہیں اور ان کے خلاف دلیل بنتی ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ لوگ اپنے پیروکاروں کو گمراہ کرنے کے لیے اور ان کو یہ دھوکا دینے کے لیے کہ وہ اپنی بدعت پر قرآنی دلائل رکھتے ہیں، متشابہ آیات سے دلیل لیتے ہیں۔ یہ تو ایسے ہی ہے جیسے نصاریٰ یہ دلیل



دینے لگیں کہ قرآن کریم نے عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ اور کلمۃ اللہ کہا ہے لیکن وہ اس آیت کو چھوڑ دیں جس میں فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام تو محض اللہ کے ایک بندے ہیں جس پر ہم نے انعام کیا ہے۔ نیز فرمانِ باری تعالیٰ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی مثال اللہ کے ہاں آدم علیہ السلام جیسی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو مٹی سے پیدا کیا، پھر ان سے کہا: ہو جا، تو وہ ہو گئے۔۔۔ اس طرح اور بھی بہت سی محکم اور صریح آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی مخلوق، اس کے بندے اور اس کے رسولوں میں سے ایک رسول ہیں۔۔۔“ (تفسیر ابن کثیر: ۷/۲)

”قرآنی دلائل“ کا جائزہ:

بعض لوگ نبی اکرم ﷺ کے عالم الغیب ہونے کو قرآنی دلائل سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ آئیے دیکھیں کہ کیا ان کی پیش کردہ قرآنی آیات سے ان کا مدعا ثابت ہوتا ہے:

پہلی دلیل: فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهَرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا ۖ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ﴾

(الجن: ۲۶، ۲۷)

”(وہی) عالم الغیب ہے، وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا سوائے کسی رسول کے جسے وہ پسند کرے۔“

اس آیتِ کریمہ کا صحیح مطلب کیا ہے اور کیا اس سے نبی اکرم ﷺ کا عالم الغیب ہونا ثابت ہوتا ہے؟ ہم اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرتے، بلکہ اس بارے میں ائمہ دین اور سلف صالحین کی تصریحات پیش کرنے پر اکتفا کریں گے۔ البتہ قارئین کرام سے التماس ہے کہ وہ اتنی زحمت ضرور کریں کہ مذکورہ آیتِ کریمہ کے متصل پہلے والی آیت پڑھ لیں۔



فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿قُلْ إِنْ أَدْرَىٰ أَقْرَبُ مَا تُوْعَدُونَ أَمْ يَجْعَلُ لَهُ رَبِّي أَمَدًا﴾ (الحج: ۲۵) ”کہہ دیجیے: میں نہیں جانتا کہ جس (عذاب) کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے وہ قریب ہے یا اس کے لیے میرے رب نے کوئی لمبی مدت رکھی ہے۔“

نبی اکرم ﷺ کو عالم الغیب کہنے اور اس پر دلائل تراشنے والوں کو یہ آیتِ کریمہ کیوں نظر نہ آئی۔ کیا اس سے نبی اکرم ﷺ کے عالم الغیب ہونے کی صاف نفی نہیں ہو رہی؟ نیز ان لوگوں کو یہ آیتِ کریمہ کیوں نظر نہ آئی:

اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ سے فرمایا: ﴿تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا﴾ (ہود: ۴۹) ”(اے نبی!) یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں، ہم انھیں آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، اس سے پہلے نہ آپ انھیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔“

ان کی نظر اس آیتِ کریمہ پر کیوں نہ پڑ گئی:

﴿وَلَوْ كُنْتَ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتَ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسْنَىٰ الشُّوْءِ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ (الأعراف: ۱۸۸)

”کہہ دیجیے: میں اپنی جان کے لیے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سی بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی، میں تو ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں ان لوگوں کو جو ایمان لاتے ہیں۔“

یہ آیت انہوں نے کیوں قابل التفات نہیں سمجھی کہ:

﴿فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ﴾ (یونس: ۲)

”(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ غیب تو صرف اللہ کے پاس ہے۔“

اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ان کی نظر سے کیوں نہیں گزرا کہ:

﴿قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللَّهُ﴾ (النمل: ۶۷)



”کہہ دیجیے: آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا کوئی بھی غیب (کی بات) نہیں

جانتا۔“

کیا یہ سب آیات واضح طور پر نبی اکرم ﷺ کے عالم الغیب ہونے کی نفی نہیں کر رہیں؟ ان سے نظریوں چرائی جاتی ہے؟ آئیے اب ان لوگوں کی پیش کی گئی قرآنی آیت کی طرف آتے ہیں کہ اس کا صحیح مطلب کیا ہے:

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (۷۰۱-۷۷۴ھ) اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وقوله: ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ﴾

ہذہ کقولہ تعالیٰ: ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾ (البقرة: ۲۵۵)

وہکذا قال ہا هنا: إنه يعلم الغیب والشهادة، وإنه لا یطلع أحد من خلقه علی

شیء من علمه إلا ممّا أطلعه تعالیٰ علیہ، ولهذا قال: ﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ

أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ﴾، وهذا یعم الرسول الملکی والبشری.

”اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ ☆ إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ﴾

(الجن: ۲۶، ۲۷) (وہی) عالم الغیب ہے، وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر

نہیں کرتا سوائے کسی رسول کے جسے وہ پسند کرے۔ [اس آیت کی طرح ہے: ﴿وَلَا

يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾ (البقرة: ۲۵۵) (اور وہ اس کے علم میں سے کسی

چیز کو اپنے احاطے میں نہیں لا سکتے، سوائے اس بات کے جو وہ چاہے۔) اسی طرح یہاں

فرمان ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ غیب اور ظاہر چیزوں کو جاننے والا ہے۔ اس کی مخلوق میں سے کوئی

بھی اس کے علم میں سے کسی بھی چیز پر اطلاع نہیں پاسکتا، سوائے اس چیز کے جس پر اللہ

تعالیٰ خود کسی کو مطلع کر دے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا کہ: ﴿فَلَا يُظْهِرُ

عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ﴾ (وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا سوائے

کسی رسول کے جسے وہ پسند کرے۔) اور یہ بات فرشتے رسول اور بشر رسول دونوں کو شامل



ہے۔“ (تفسیر ابن کثیر: ۴/۳۲۶)

نیز فرماتے ہیں: أمرہ اللہ تعالیٰ أن يفوض الأمور إليه ، وأن يخبر عن نفسه أنه لا يعلم الغيب المستقبل ، ولا اطلاع له على شيء من ذلك إلا بما أطلعہ اللہ علیہ ، كما قال تعالیٰ : ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ .
”اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ہے کہ آپ تمام امور اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیں اور اپنے بارے میں خبر دے دیں کہ وہ مستقبل کے غیب کو نہیں جانتے ، نہ آپ کو اس میں سے کسی چیز کی اطلاع ہے ، سوائے اس کے جس پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطلاع دے دی ہے جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے : ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ [وہی) عالم الغیب ہے، وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا]۔“ (تفسیر ابن کثیر: ۳/۲۴۹)

مزید فرماتے ہیں: ثم قال : ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ﴾
ای أنتم لا تعلمون غيب الله في خلقه حتى يُمَيِّزَ لكم المؤمن من المنافق ، لولا ما يعقده من الأسباب الكاشفة عن ذلك ، ثم قال : ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ﴾ كقولہ : ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا.....﴾ .
”پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ : ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ﴾ (اور اللہ تعالیٰ تمہیں غیب پر مطلع نہیں کرنے والا) یعنی تم اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں موجود اس کا غیب نہیں جان سکتے کہ تمہیں مؤمن اور منافق کی تمیز ہو جائے۔ ہاں اگر وہ اسباب موجود ہوں جو اس غیب سے پردہ اٹھا سکتے ہیں، پھر فرمایا : ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ﴾ [لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں جسے چاہتا ہے ، (اس غیب سے پردہ اٹھانے کے لیے) اس کا انتخاب کر لیتا ہے]۔ یہ فرمان اس آیت کی طرح ہی ہے کہ : ﴿عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَىٰ غَيْبِهِ أَحَدًا.....﴾ [وہی) عالم الغیب ہے، وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں

کرتا]۔“ (تفسیر ابن کثیر: ۲/۱۵۵، تحت آل عمران: ۱۷۹)

یعنی اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اپنے رسول کو غیب کی بات پر مطلع کر دیتے ہیں۔ قرآن کریم نے یہ وضاحت کی ہے کہ پہلی قوموں کے حالات رسول اکرم ﷺ کو بذریعہ وحی ہی بتائے گئے تھے۔ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَذَا﴾ (ہود: ۴۹) ”(اے نبی!) یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں، ہم انہیں آپ کی طرف وحی کرتے ہیں، اس سے پہلے نہ آپ انہیں جانتے تھے اور نہ آپ کی قوم۔“ مستقبل کی خبر بھی نبی اکرم ﷺ کو بذریعہ وحی دی گئی جیسا کہ فرمان الہی ہے:

﴿لَقَدْ صَدَقَ اللَّهُ رَسُولَهُ الرُّؤْيَا بِالْحَقِّ لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ إِنْ شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ مُحَلِّقِينَ رُءُوسَكُمْ وَمُقَصِّرِينَ لَا تَخَافُونَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوا فَجَعَلَ مِنْ دُونِ ذَلِكَ فَتْحًا قَرِيبًا﴾ (الفتح: ۲۷)

”البتہ تحقیق اللہ نے اپنے رسول کو خواب میں حق کے ساتھ سچی خبر دی کہ اگر اللہ نے چاہا تو تم اپنے سر منڈاتے اور بال کترواتے ہوئے مسجد حرام میں ضرور داخل ہو گے، تم (کسی سے) نہ ڈرتے ہو گے، چنانچہ اللہ وہ بات جانتا تھا جو تم نہیں جانتے تھے، لہذا اس نے اس سے پہلے ایک فتح جلد ہی عطا کر دی۔“

دراصل اس بارے میں رسول اللہ ﷺ نے خواب دیکھا تھا اور انبیائے کرام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔

نیز فرمایا: ﴿الْمُ غَلِبَتِ الرُّومُ﴾ ☆ فی أَذْنَى الْأَرْضِ وَهُمْ مِنْ بَعْدِ غَلِبِهِمْ سَيَغْلِبُونَ ☆ فی بضع سنين ﴿(الروم: ۱-۴)

”الْمُ رومی مغلوب ہو گئے قریب ترین سرزمین (شام و فلسطین) میں، اور وہ اپنے مغلوب ہونے کے بعد جلد غالب ہوں گے، چند برسوں میں۔“



ان تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو غیب کا علم نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا آپ ﷺ کو ماضی اور مستقبل کی کوئی خبر بذریعہ وحی دے دیتا تھا۔
اس کی تائید کے لیے ایک حدیث بھی ملاحظہ فرمائیں :

عن محمود بن لبید عن رجال من بنی عبد الأشهل قالوا : فقال زید بن اللصیت وهو فی رحل عمارة ، وعمارة عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم :
الیس محمد یزعم أنه نبیّ ویخبرکم عن خبر السماء ، وهو لا یدری أين ناقتہ ؟
فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعمارة عنده أن رجلا قال : هذا محمد
یخبرکم أنه نبیّ ویزعم أنه یخبرکم بأمر السماء وهو لا یدری أين ناقتہ ؟ وانی
واللہ ما أعلم ما علمنی اللہ وقد دلّنی اللہ علیہا ، وهی فی الوادی فی الشعب
کذا وکذا ، قد حبسها شجرة بزمامها ، فانطلقوا حتی تأتونی بها ، فذهبوا ،
فجاؤا بها . ”محمود بن لبید بنو عبد الأشهل کے لوگوں سے بیان کرتے ہیں ، وہ کہتے

ہیں : زید بن اللصیت نے کہا کہ وہ عمارہ کی رہائش گاہ پر تھا اور عمارہ رسول اللہ ﷺ کے پاس تھے۔ اس نے کہا : محمد (ﷺ) کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہیں اور تمہیں آسمان کی خبریں بتاتے ہیں ، حالانکہ وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے ؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ، جبکہ عمارہ آپ کے پاس تھے کہ ایک شخص نے کہا ہے : یہ محمد تمہیں خبر دیتا ہے کہ وہ نبی ہے اور کہتا ہے کہ وہ تمہیں آسمان کی خبر دیتا ہے ، حالانکہ وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ اس کی اونٹنی کہاں ہے ؟ اللہ کی قسم ! میرے پاس وہی علم ہے جو اللہ نے مجھے سکھایا ہے اور اس اونٹنی کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے مجھے آگاہی دے دی ہے کہ وہ فلاں وادی کی فلاں گھاٹی میں ہے۔ اس کی لگام درخت کے ساتھ اٹکی ہوئی ہے۔ جاؤ ، اسے میرے پاس لے آؤ ! وہ اسے لے کر

آگئے۔“ (المغازی لابن اسحاق کما فی السیرة لابن هشام : ۵۲۳/۲ ، وسندہ حسن ، وابن

إسحاق وثّقه الجمهور)



یہ حدیث اس بات پر واضح دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس علم غیب نہیں تھا۔ آپ ﷺ ما کان وما یکون کو نہیں جانتے تھے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ اگر چاہتا تو کسی معاملے کی خبر آپ کو دے دیتا تھا۔

شارح صحیح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (۷۷۳-۸۵۲ھ) اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں: فأعلم النبي صلى الله عليه وسلم أنه لا يعلم الغيب إلا ما علمه الله ، وهو مطابق لقوله تعالى : ﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ ☆ إِلَّا مَنْ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ ﴿... ”نبی اکرم ﷺ نے بتا دیا ہے کہ وہ غیب نہیں جانتے، ہاں وہ بات جو اللہ تعالیٰ انہیں سکھا دے (اسے جان لیتے ہیں)۔ یہ حدیث اس فرمانِ باری تعالیٰ کی طرح ہے: ﴿فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا﴾ ☆ إِلَّا مَنْ ارْتَضَىٰ مِنْ رَسُولٍ ﴿[(وہی) عالم الغیب ہے، وہ اپنا غیب کسی پر ظاہر نہیں کرتا سوائے کسی رسول کے جسے وہ پسند کرے]۔“ (فتح الباری لابن حجر: ۳۶۴/۱۳)

علامہ احمد قسطلانی (۸۵۱-۹۲۳ھ) کہتے ہیں: عالم الغیب فلا يطلع على غيبه أحدًا من خلقه إلا من ارتضى من رسول لا طّلاعه على بعض الغيب ، يكون إخباره عن الغيب معجزة له . ”اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ وہ اپنی مخلوق میں کسی کو اپنے غیب کی اطلاع نہیں دیتا، مگر جس رسول کو چاہے کسی غیب کی بات پر مطلع کر دیتا ہے اور یہ اطلاع نبی کے لیے معجزہ ہوتی ہے۔“ (إرشاد الساری لشرح صحيح البخاری: ۳۶۳/۱۰)

مفسرین کرام اور ائمہ سلف کے اقوال کی روشنی میں اس آیتِ کریمہ کی مزید وضاحت اگلی قسط میں کی جائے گی۔ إن شاء الله!

جاری ہے۔۔۔۔۔





حافظ ابو یحییٰ نور پوری

حلال جانوروں کا پیشاب پاک ہے

قسط ③

حدیثی دلائل کی دوراز کار تاویلات کا تجزیہ:

قارئین کرام اس مضمون کی پہلی قسط میں اس حوالے سے حدیثی دلائل ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حلال جانوروں کا پیشاب شریعت اسلامیہ کی رو سے پاک ہے۔ محدثین کرام نے ہماری ذکر کردہ احادیث سے صاف طور پر یہ مسئلہ ثابت کیا ہے۔ مخالفین کے پاس اس واضح موقف کے خلاف کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے وہ یہ ثابت کر سکیں کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے، ان کا پیشاب ان جانوروں کے پیشاب کی طرح ناپاک اور نجس و پلید ہے جن کا گوشت کھانا حرام ہے۔ کوئی دلیل نہ رکھنے کے باوجود بعض لوگ صحیح احادیث پر ایمان نہیں لاتے بلکہ ان میں طرح طرح کی تاویلات کا دروازہ کھول لیتے ہیں۔ ایک حدیث کے بارے میں کی گئی تاویلات کا جائزہ تو ہم قسط ① میں لے چکے ہیں۔ آئیے اس قسط میں دوسری صحیح حدیث کے بارے میں کی گئی تاویلات کا جائزہ لیتے ہیں:

بکریوں کے باڑوں میں نماز والی حدیث:

ہم بیان کر چکے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ مسجد بننے سے پہلے بکریوں کے باڑے میں نماز ادا فرماتے تھے۔ (صحیح البخاری: ۲۳۴، صحیح مسلم: ۵۲۴)

ہم پہلی قسط میں بقول فقہائے امت یہ بیان کر چکے ہیں کہ اس حدیث سے حلال جانوروں کے پیشاب کا پاک ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اب ملاحظہ فرمائیں مخالفین کی تاویلات اور ان کا منصفانہ تجزیہ!

تاویل نمبر ①:



دیوبندیوں کے ”قاسم ثانی“ جناب شمیم احمد عثمانی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں:

”علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے اس لئے کہ یہ واقعہ مسجد بننے سے پہلے کا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ہجرت کے بعد بالکل ابتداء کا واقعہ ہے۔

(فضل الباری شرح اردو صحیح بخاری از عثمانی: ۴۰۳/۲)

تجزیہ: مقلدین کی یہ عادتِ شیعہ ہے کہ صحیح و صریح احادیث سے جان چھڑانے کے لئے ان میں ایسی تاویلیں کرنے سے بھی گریز نہیں کرتے جن کو خود بھی درست نہیں سمجھتے۔ آگے چل کر خود عثمانی صاحب نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی وہ عبارت نقل کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حدیث منسوخ نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ رقمطراز ہیں:

وَأَمَّا ادِّعَاءُ مِنَ النِّسْخِ يَقْتَضِي الْجَوَازَ ثُمَّ الْمَنْعَ ، وَفِيهِ نَظَرٌ لِأَنَّ إِذْنَهُ فِي الصَّلَاةِ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ ثَابِتٌ عِنْدَ مُسْلِمٍ مِنْ حَدِيثِ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ .

”رہی بات دعویٰ نسخ کی تو اس کا تقاضا ہے کہ پہلے یہ کام جائز ہو پھر منع ہوا ہو لیکن یہ بات صحیح نہیں کیونکہ آپ ﷺ کا بکریوں کے باڑوں میں نماز کی اجازت دینا صحیح مسلم میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ثابت ہے (اور وہ آخری دور میں اسلام لانے والے صحابی ہیں)۔“ (فتح الباری: ۳۴۲/۱)

اگر عثمانی صاحب جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب کو ہی پڑھ لیتے تو اس حدیث کے بارے میں ابن حزم رحمہ اللہ سے دعویٰ نسخ نقل نہ کرتے۔ کشمیری صاحب لکھتے ہیں:

وَلَا أُدْرِي مَا حَمَلَهُ عَلَى النِّسْخِ إِلَّا أَنْ يَكُونَ اخْتَارَ نَجَاسَةَ الْأُزْبَالِ وَالْأَبْوَالِ .

”میں نہیں جانتا کہ ابن حزم کو کس چیز نے اکسایا ہے کہ وہ اسے منسوخ کہیں، سوائے اس کے کہ ان کے نزدیک یہ پیشاب و گوبر ناپاک تھے۔“ (فیض الباری: ۳۳۰/۱)

یعنی بقول کشمیری صاحب ابن حزم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو منسوخ صرف اس لیے کہا



ہے کہ ان کا موقف حلال جانوروں کے پیشاب کے ناپاک ہونے کا تھا، ورنہ کوئی دلیل ان کے پاس نہیں تھی۔ لہذا یہ دعویٰ بلا دلیل ہونے کی وجہ سے مردود ہے۔

تاویل نمبر ۲: جناب عثمانی صاحب مزید لکھتے ہیں:

”ابن حزم کے جواب کے علاوہ امام بخاری رحمہ اللہ کے اس استدلال کے اور بھی متعدد جوابات دیئے گئے ہیں۔ ایک جواب تو یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہاں کوئی چیز بچھا کر نماز پڑھی ہو۔“ (فضل الباری اردو از عثمانی: ۴۰۳/۱)

تجزیہ: جناب عثمانی صاحب کے اپنے الفاظ ”ہو سکتا ہے“ بتا رہے ہیں کہ یہ بات ان کے ہاں بھی یقینی نہیں۔ صرف ایک تقلیدی احتمال ہے اور احتمال آجانے پر استدلال درست نہیں رہتا۔ جناب ظفر احمد تھانوی دیوبندی صاحب نے کئی مقامات پر یہ اصول بیان کر رکھا ہے۔ ایک مقام ملاحظہ فرمائیں۔ وہ لکھتے ہیں:

”اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔“ ”جب احتمال آجائے تو استدلال باطل ہو جاتا ہے۔“ (دیکھیں اعلاء السنن از تھانوی: ۴۴۰، ۴۴۱)

عثمانی صاحب کی مزید سعی لاحاصل ملاحظہ فرمائیں:

”اور واضح جواب صحیحین کی حضرت انس سے مروی وہ حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ان کے گھر میں بورے پر نماز پڑھی اور حضرت عائشہ سے بھی مروی ہے کہ آپ چٹائی پر نماز پڑھا کرتے تھے۔“ (فضل الباری: ۴۰۳/۲)

قارئین ملاحظہ فرمائیں کہ بات بکریوں کے باڑوں کی ہو رہی ہے اور دیوبندی صاحب نے دلیل میں انس رضی اللہ عنہ کے گھر والی روایت پیش کی ہے۔ اس سے کیا فائدہ؟ بات تو تب بنے گی جب باڑے میں نبی اکرم ﷺ کی نماز چٹائی پر ثابت ہوگی۔

حدیث میں تاویل اور نجاست پر نماز!!!

یاد رہے کہ اگر بالفرض یہ ثابت ہو جائے کہ نبی اکرم ﷺ نے بکریوں کے باڑے میں



چٹائی بچھا کر نماز پڑھی تھی تو بات پھر بھی نہ بنے گی کیونکہ اگر باڑوں میں نبی اکرم ﷺ کی نماز چٹائی پر ثابت ہو جائے تو دیوبندی اور حنفی بھائیوں کو کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ کیا یہ تاویل کرنے والوں کے نزدیک نجاست پر مصلیٰ یا چٹائی بچھا کر نماز پڑھنا جائز ہے؟ کتنی جرأت ہے تقلید میں کہ مقلدین اپنی ”فقہ“ کو بچانے کے لیے نبی اکرم ﷺ کی نماز کو نجاست والی جگہ پر ثابت کرنے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔ دیوبندی بھائی بتائیں کہ کیا آدمی کے پیشاب یا پاخانہ کے اوپر چٹائی بچھا کر نماز کا جواز آپ کی فقہ کی کس کتاب میں موجود ہے؟ حلال جانوروں کے پیشاب کو آپ نجس قرار دیتے ہیں اور آدمی کا بول و براز بھی نجس ہے۔ اگر آپ آدمی کے بول و براز کے اوپر چٹائی بچھا کر نماز پڑھنا جائز نہیں سمجھتے تو بکری اور اس جیسے دوسرے حلال جانوروں کے پیشاب کو نجس قرار دے کر رسول اطہر ﷺ کی گستاخی کیوں کرتے ہیں؟ مقلدین اس بات پر ٹھنڈے دل سے غور کریں تو بات سمجھ میں آسکتی ہے۔

تاویل نمبر ③ : جناب شبیر احمد عثمانی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں :

”اس کے علاوہ یہ کہ حضرت عائشہ سے روایات ہے کہ حضور ﷺ نے لوگوں کو گھر میں مسجد بنانے، ان کو صاف ستھرا رکھنے اور خوشبو لگانے کا حکم دیا۔“

(فضل الباری اردو از عثمانی: ۴۰۳/۱)

تجزیہ : دیوبندی صاحب حدیث نبوی أمر ببناء المساجد فی الدور کا مطلب غلط سمجھ بیٹھے ہیں۔ یہاں گھروں میں مسجدیں بنانے کا حکم نہیں دیا گیا، کیونکہ عظیم تابعی امام سفیان ثوری رحمہ اللہ جو اس حدیث کے راوی ہیں، فرماتے ہیں :

قوله ببناء المساجد فی الدور ، یعنی القبائل .

”آپ کا مسجدیں بنانے کا جو حکم ہے اس میں الدُّور سے مراد قبائل ہیں۔“

(جامع الترمذی، تحت الحديث: ۵۹۶)



اور احناف بھی اس بات کے اقراری ہیں کہ راوی اپنی روایت کو دوسروں سے بہتر

جانتا ہوتا ہے۔ (دیکھیں أحسن الكلام از محمد سرفراز خان صفدر: ۱/۲۶۸)

اب محلوں میں بنائے جانے والی مساجد کو خوشبو لگانے اور صاف ستھرا رکھنے سے کون انکار کرتا ہے؟ یہاں اس عبارت کا کیا مطلب؟ کیا دیوبندی صاحب باڑوں میں بکریوں کی بُو کی وجہ سے نماز کی ممانعت یا نسخ ثابت کرنا چاہتے ہیں؟ اگر ایسا ہے تو کیا نبی اکرم ﷺ کو اس بات کا علم نہ تھا؟ اور بقول مقلدین کے ”ہو سکتا ہے“ رسول اللہ ﷺ نے چٹائی بچھالی ہو۔ ہمارا سوال ہے کہ کیا چٹائی بچھانے سے بکریوں کے باڑے کی بُو ختم ہو جاتی ہے؟ ان سب باتوں سے سوائے رسول اکرم ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخی کے کوئی مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ فرمائے!

حافظ نووی نے بکریوں کے باڑوں میں نماز درست ہونے پر محدثین کا اتفاق نقل کر رکھا ہے۔ کیا سب محدثین کرام ان باتوں سے غافل تھے جواب دیوبندی بھائیوں کو سوچ رہی ہیں؟ دراصل عثمانی صاحب نے یہ اعتراض حافظ ابن حزم رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے، لیکن وہ بات کو واضح نہیں کر سکے۔ ہم حافظ ابن حزم سے یہ اعتراض نقل کر کے اس کا جواب عرض کرتے ہیں۔ ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عن عائشة قالت : أمر رسول الله صلى الله عليه وسلم ببناء المساجد في الدور ، وأن تطيب وتنظف فقد صح أمره عليه السلام بتنظيف المساجد و تطيبها ، وهذا يوجب الكنس لها من كل بول و بعر و غيره ... فيأمر بالبساط الذي تحته فيكنس وينضح ... فهذا أمر منه عليه الصلاة والسلام بكنس ما يصلّى عليه ورشه بالماء ، فدخل في ذلك مرائب الغنم وغيرها .

”سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے محلوں میں مسجدیں بنانے اور ان کو صاف ستھرا اور خوشبو دار رکھنے کا حکم دیا۔۔۔ لہذا آپ کی طرف سے نماز کی جگہوں کو

صاف رکھنے کا حکم ثابت ہو گیا۔ اسی حکم کی بنا پر نماز کی جگہوں سے ہر بول و براز وغیرہ کو جھاڑو سے دور کرنا ضروری قرار پاتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ اپنے نیچے والی چٹائی پر جھاڑو دینے اور پانی کے چھینٹے لگانے کا حکم فرماتے۔ یہ آپ کی طرف سے نماز گاہ کو جھاڑو دینے اور چھینٹے لگانے کا حکم ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے چٹائی کے ایک حصے پر جھاڑو دینے اور چھینٹے مارنے کا حکم دیا لہذا ایسا کیا گیا، پھر ہم نے آپ کے ساتھ نماز ادا کی۔ یہ بھی آپ کی طرف سے نماز گاہ کو جھاڑو دینے اور چھینٹے لگانے کا حکم ہے۔ اسی حکم میں بکریوں کے باڑے اور دوسری جگہیں شامل ہیں۔“ (المحلی لابن حزم: ۱۷۲/۱، ۱۷۳)

تجزیہ: ① ان تمام احادیث میں پاک و صاف جگہ کو مزید صفائی کے لئے جھاڑو دیا گیا اور گرد و غبار کے پیش نظر پانی کے چھینٹے مارے گئے، لیکن اس پر ایسی جگہ کو کیسے قیاس کیا جاسکتا ہے جسے حلال جانوروں کے پیشاب کو نجس کہنے والے نجاست زدہ قرار دیتے ہیں؟

② بکریوں کے باڑوں میں نماز کی رخصت کے ساتھ وہاں جھاڑو دینے اور پانی کے چھینٹے مارنے کا حکم نہیں دیا گیا۔

③ اگر بکریوں کے باڑوں میں بھی جھاڑو دینا اور پانی کے چھینٹے مارنا اسی حکم میں شامل کر لیا جائے تو کیا نجس بول و براز والی زمین صرف جھاڑو دینے اور پانی کے چھینٹوں سے پاک ہو جائے گی؟ ہرگز نہیں کیونکہ صحیح بخاری (۶۱۲۸) وغیرہ کی مشہور حدیث کے مطابق نبی اکرم ﷺ نے مسجد میں اعرابی کے پیشاب پر پانی کا ڈول بہانے کا حکم دیا تھا، چھینٹے مارنے کا نہیں۔ چھینٹے مارنے سے تو نجاست مزید پھیل جائے گی۔

رہا یہ مغالطہ کہ ہمارے ہاں حدیث کے مطابق بچے کے نجس پیشاب پر بھی تو چھینٹے کفایت کر جاتے ہیں۔۔۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ وہاں تو نص کی وجہ سے چھینٹے کافی

ہوتے ہیں اور وہ حکم صرف بچوں کے پیشاب کے ساتھ خاص ہے۔ جو لوگ اس حدیث پر عمل نہیں کرتے اور بچے کے پیشاب پر چھینٹے مارنا کافی نہیں سمجھتے، ان کے نزدیک وہ نجاسات محض چھینٹوں سے کیسے پاک ہو جائیں گی جن سے پاک ہونے کے لیے حدیث میں چھینٹوں کی رخصت نہیں دی گئی؟

یہ تو الٹا احناف پر ہی اعتراض بنے گا کہ وہاں حدیث کی موجودگی میں بھی چھینٹوں کو کافی نہیں سمجھتے اور یہاں عام نجاسات کو بھی چھینٹوں سے پاک کر رہے ہیں۔ کیا آدمی کے پیشاب پر صرف چھینٹے مارنے سے جگہ پاک ہو جائے گی؟ اگر نہیں تو یہاں حلال جانوروں کے پیشاب کو نجس سمجھتے ہوئے بھی یہ لوگ ان پر چھینٹے کافی کیوں سمجھتے ہیں؟ ثابت ہوا کہ یہ تاویل بھی باطل و فاسد ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔

تاویل نمبر ۴: حافظ ابن حزم لکھتے ہیں:

أَمَّا قَوْلُكُمْ: إِنَّهَا لَا تَخْلُوا مِنْ أَبْوَالِهَا وَلَا مِنْ أْبْعَارِهَا، فَقَدْ يَبُولُ الرَّاعِي أَيْضًا بَيْنَهَا، وَلَيْسَ ذَلِكَ دَلِيلًا عَلَى طَهَارَةِ بَوْلِ الْإِنْسَانِ.

”تم جو یہ کہتے ہو کہ بکریوں کے پاؤں ان کے پیشاب اور میٹکینوں سے خالی نہیں ہوتے، لہذا وہاں نماز کی اجازت سے ان کی طہارت ثابت ہوتی ہے۔۔۔ تو کبھی چرواہا بھی تو پاؤں میں پیشاب کر دیتا ہے اور یہ انسان کے بول کے پاک ہونے کی دلیل نہیں ہے۔“ (المحلی لابن حزم: ۱/۱۷۲)

جواب: یہ بات قطعاً کسی حدیث سے ثابت نہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے جس پاؤں میں نماز پڑھی تھی وہاں انسان کا پیشاب موجود تھا یا جس صحابی نے نبی اکرم ﷺ سے وہاں نماز کے بارے میں سوال کیا تھا، وہ رخصت ملنے کے بعد وہاں پیشاب کرتا ہو۔ کیونکہ جن صحابہ کو پاؤں میں نماز کی رخصت معلوم تھی۔ ان کو انسانی پیشاب کی نجاست بھی معلوم

تھی۔ لہذا ان کی طرف ایسی نسبت کرنا یا اسے فرض کر لینا محض تاویل فاسد ہے۔ اس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں۔ قارئین کرام خود انصاف فرمائیں کہ ایسے احتمالات صحیح و صریح احادیث کے مقابلے میں بھلا کیا حیثیت رکھتے ہیں؟

تاویل نمبر ⑤ : حافظ ابن حزم رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

فلو كان أمره عليه السلام بالصلاة في مراض الغنم دليلا على طهارة
أبوالها وأبعارها كان نهيه عليه السلام عن الصلاة في أعطان الإبل دليلا على
نجاسته أبوالها وأبعارها

”اگر آپ ﷺ کا بکریوں کے باڑوں میں نماز کا حکم دینا ان کے بول اور مینگنیوں کے
پاک ہونے کی دلیل ہے تو پھر آپ کا اونٹوں کے باڑوں میں نماز سے منع کرنا ان کے
پیشاب اور مینگنیوں کی نجاست کی دلیل ہوگا۔“ (المحلی لابن حزم: ۱/۱۷۴)

تجزیہ : آپ ﷺ کا بکریوں کے باڑوں میں نماز کا حکم ان کے بول و
بعر (لید) کی طہارت پر دلیل ہے، یہ بات تو ہم امام بخاری رحمہ اللہ سمیت کئی محدثین کرام کی
صراحت و توضیح کے ذریعے ثابت کر آئے ہیں، جبکہ اونٹوں کے باڑوں میں نماز سے ممانعت
ان کے بول و بعور کی نجاست کی وجہ سے ہے، یہ بات امت مسلمہ کے کسی محدث و فقیہ نے
نہیں کہی بلکہ اس کی وجہ اور بیان کی گئی ہے۔ وہ یہ کہ ان میں شیطانی خصلت ہوتی ہے۔
بسا اوقات یہ وحشی ہو جاتے ہیں اور انسان کو نقصان پہنچا دیتے ہیں جیسا کہ رسول اکرم
ﷺ کے فرمان سے یہ بات ثابت ہے۔

ایک دفعہ ایک اونٹ بھاگ گیا۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑے، لیکن وہ کسی کے قابو میں
نہیں آ رہا تھا۔ ایک شخص نے اس کو تیر مارا اور وہ زخمی ہو کر رک گیا۔ اس پر آپ ﷺ نے
فرمایا:

((إن لهذه البهائم أوابد كأوابد الوحش ، فما غلبكم منها فاصنعوا به هكذا))



”ان مویشیوں میں بھی جنگلی جانوروں کی طرح کی عادات ہوتی ہیں۔ جو مویشی اس طرح کرے، تم اس کے ساتھ یہی سلوک کرو۔“

امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے اونٹوں کے باڑے میں نماز کی ممانعت کو نہی تنزیہی شمار کیا ہے۔ اسی لئے دوسری حدیث لا کر اونٹوں کے باڑوں میں نماز کی رخصت بھی ثابت کی ہے۔ یعنی اگر آدمی کے پاس اس حوالے سے پورا بندوبست ہو تو وہ اونٹوں کے باڑے میں نماز ادا کر سکتا ہے۔ اگر ممانعت کا سبب نجاست ہوتی تو کبھی بھی رخصت نہ ہوتی۔ علامہ سندھی حنفی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۳۸ھ) لکھتے ہیں:

قالوا : ليس علة المنع نجاسة المكان ، إذ لا فرق حينئذ بين أعطان الإبل وبين مرابض الغنم ، مع أن الفرق بينهما قد جاء في الأحاديث ، وإنما العلة شدة نفار الإبل ، فقد يودى ذلك إلى بطلان للصلاة أو قطع الخشوع وغير ذلك . ”علمائے کرام کا کہنا ہے کہ اونٹوں کے باڑوں میں نماز کی ممانعت کا سبب جگہ کی نجاست نہیں کیونکہ پھر تو بکریوں اور اونٹوں کے باڑوں میں کچھ فرق نہ رہا، حالانکہ دونوں کا فرق احادیث سے ثابت ہو چکا ہے۔ اس کی اصل وجہ یہ ہے اونٹوں میں سخت بدکاہٹ پائی جاتی ہے جس سے بسا اوقات نماز ٹوٹ جاتی ہے یا خشوع ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دوسری علتیں بھی ہیں۔“ (حاشیۃ السندی علی النسائی: ۵۶/۲)

حافظ نووی رحمۃ اللہ علیہ (۶۳۱-۶۷۶ھ) اس حوالے سے لکھتے ہیں:

والنهي عن مبارك الإبل ، وهي أعطانها ، نهى تنزيه ، وسبب الكراهة ما يخاف من نفارها و تهويشها على المصلّي .

”اونٹوں کے باڑوں میں نماز کی ممانعت نہی تنزیہی ہے اور کراہت کا سبب ان کی بدکاہٹ اور نمازی کو پریشان کرنا ہے۔“ (شرح مسلم للنووی: ۱۵۸/۱)

حافظ ابوسلیمان حمد بن محمد ابن الخطاب بستی، المعروف بہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ (۳۱۹-۳۸۸ھ) اونٹوں کے باڑوں میں نماز کی ممانعت کا سبب لکھتے ہوئے کہتے ہیں:



وذلك لأن الإبل قد يسرع إليها النفار ، فالمصلّى في أعطانها وبالقرب منها على وجل أن تفسد صلاته ، وهذا المعنى مأمون على الغنم ، فلذلك لم تكره الصلاة في مرائبها .

”اونٹوں کے باڑوں میں نماز کی ممانعت اس لئے ہے کہ اونٹوں میں بدکاہٹ جلد آ جاتی ہے، چنانچہ ان کے باڑوں میں اور ان کے قریب نماز پڑھنے والا ڈرتا رہتا ہے کہ وہ اس کی نماز خراب نہ کر دیں۔ یہ وجہ بکریوں میں نہیں پائی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے باڑوں میں نماز مکروہ نہیں ہے۔“ (غریب الحديث للخطابی: ۲۸۵/۲-۲۸۶)

حافظ بغوی رحمہ اللہ نے بھی اپنی کتاب شرح معانی السنة میں یہی بات لکھی ہے۔
(دیکھیں شرح السنة للبغوی: ۴۰۲/۲-۴۰۵)

ثابت ہوا کہ اونٹوں کے باڑوں میں نماز کی ممانعت سے مخالفین کا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔
نوٹ: جناب محمد سرفراز خاں صغدر دیوبندی صاحب نے حلال جانوروں کے پیشاب کو پاک سمجھنے والوں کے دلائل میں یہ حدیث ذکر نہیں کی۔ اس حوالے سے ہماری دیگر دلائل بھی انہوں نے بیان نہیں کیے، بلکہ دارقطنی کی وضعیف روایات جو کہ ہم پیش ہی نہیں کرتے، ذکر کر کے ان کے رد پر پورا زور صرف کر دیا ہے۔ جبکہ جناب تقی عثمانی دیوبندی صاحب نے یہ احادیث پیش تو کی ہیں لیکن اس حدیث پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔
ایسا شاید اس لیے ہے کہ دیوبندی حضرات اس حدیث کے بارے میں اپنے ابا کرکی تلاویلات پر مطمئن نہیں، ورنہ وہ انہیں نقل ضرور کر دیتے۔

باقی دلائل پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں اور ان کی جو تلاویلات باطلہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، ان کا تجزیہ اگلی قسط میں ہوگا۔ إن شاء اللہ !

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمیں حق کو سمجھنے اور اسی پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین !
جاری ہے.....

